جلیانوالہ باغ کا سانحہ: محرکات وعوامل

فیض الدین احمد *

انگریزوں کے دورِحکومت میں جلیانوالہ باغ کے سانحے کو ہمیشہ ایک سیاہ باب کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔ ۱۳/اپریل ۱۹۱۹ء کا وہ ناقابل فراموش دن جب گورنر مائیکل اڈوائر(Michael O'Dwyer) کے حکم سے جنرل ڈائر(Reginald Dyer) نے جلیانوالہ باغ میں جمع ہزاروں ہندوستانی مظاہرین پر گولیاں برسادیں۔نتیجتاً جلیانوالہ باغ میں کئی سوافراد جاں بحق ہوگئے[۱]۔جلیانوالہ باغ کے المیے نے ہندوستان کی جدوجہد آزادی میں ایک بڑے محرک کا کام کیا تھا کیوں کہ ترک موالات کی تحریک جواس واقعے کے سوا سال بعد شروع ہوئی اس میں مظالم پنجاب اور خلافت تحریک کوکسی صورت نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔افسوس کی بات یہ ہے کہ اس دور کے سیاسی تجزیوں، تاریخی اور ادبی حوالوں میں جذباتی انداز میں جلیانوالہ باغ، مارشل لا اور مظالم پنجاب کا ذکر توضرور ہوتا ہے مگران واقعات کی جزئیات وتفصیلات میں جانے کی ضرورت بہت کم محسوس کی گئی۔حقائق پر گرد کی تہہ بیٹھتی گئی اور واقعات کے بیان میں اکثر تضاد اور التباس نظر آنے لگا۔نصف صدی گزرنے کے باوجود پاکستان، بھارت، انگلستان اور امریکی مورخین کے نزدیک یہ موضوع آج بھی توجہ کا مرکز ہے۔ہنٹر کمیٹی کی رپورٹ، کانگریس کمیٹی کی روداد اور متعلقہ شہادتیں بہت سے حقائق کومنظر عام پر لانے میں معاون ثابت ہوئیں۔اس واقعے کے گزرنے کے کئی ماہ بعد جب پنجاب پرسر مائیکل اوڈوائر کے ڈالے ہوئے آئینی پردے کے اندر کی خبریں انگلستان پہنچنے لگیں تو انگلستان میں کہرام مچ گیا اور پارلیمنٹ کے اندر اور باہر بحث ومباحثے کا آغاز ہوا۔اس تصادم کو بعض انگریز سول حکام اور فوجی افسروں نے ۱۸۵۷ء کے واقعات سے مشابہ قرار دے کر بغاوت (میوٹنی) کا عنوان دینے کی کوشش کی لیکن ان لوگوں کی بدنیتی اس وقت پوری طرح عیاں ہوگئی جب ہنٹر کمیشن کے سامنے اس دروغ گوئی کا کوئی ثبوت پیش نہ کرسکے۔۱۹۱۹ء میں رونما ہونے والا یہ سانحہ نہ کسی سازش کا نتیجہ تھا اور نہ ہی کسی بغاوت کا پیش خیمہ[۲]۔اس سانحے کے رونما ہونے سے قبل امرتسر میں ہندو مسلم اتحاد ویکجہتی کی جوفضا پھیلی ہوئی تھی اسے دیکھتے ہوئے انگریز حکمراں اس سانحے کو ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ سازش قرار دیتے ہیں۔سفید فام بیوروکریسی اسے برطانوی سامراج کے لیے خطرناک صورت قرار دے رہی تھی اور بقول روبرٹ فرینکلن:

* صدرِشعبۂ اردو، کراچی گرامر اسکول، مقیم کراچی

> The next three days in Amritsar are passed without incident. On the evening of the 9th the Hindu festival of Ram Naumi was observed, the only disquieting feature being that it was celebrated by Hindus and Muslims alike, a sinister example of religious fraternization which boded ill for the traditional British policy of divid and rule.

برطانوی حکمرانوں نے جنوبی ایشیا پر طویل عرصے تک حکمرانی کرنے کے لیے اختلافات کو ہوا دینے، تفریق پیدا کرنے اور ہندو مسلم باہمی آویزش کو ہوا دینے پر پوری توجہ مرکوز رکھی۔ فرقہ وارانہ فسادات کا پودا برطانوی عہد میں لگایا گیا، تفریق و تقسیم کی پالیسی جہاں کہیں ذرا بھی ڈولتی نظر آتی برطانوی سول سروس کے لوگ پھر سے سازشوں میں مصروف ہو جاتے۔ ۱۹۱۹ء میں جوں ہی سفید فام حکمرانوں کو ہندو مسلم آپس میں گلے ملتے دکھائی دیتے اس منظر نے انھیں پریشان کر دیا۔ یہی بنیادی سبب بنا پنجاب میں رونما ہونے والے اس عظیم سانحے کا جس کو جلیانوالہ باغ کا سانحہ کہا جاتا ہے[۴]۔

جلیانوالہ باغ میں انگریزی افواج نے ہر اصول، ہر قانون اور ہر ضابطے کو نظر انداز کر کے حریت طلب اور آزادی خواہ ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں کے نہتے اور پرامن مجمع پر جس طرح گولی چلائی اس کی مثال برطانوی سام راج کی تاریخ میں شاید ہی مل سکے[۵]۔

پہلی جنگ عظیم کے دوران جنوبی ایشیائی محکوم باشندوں نے حکومتِ برطانیہ سے کچھ توقعات وابستہ کر کے اپنے تمام مالی وسائل اور افرادی قوت جنگ کی بھٹی میں جھونک دیے۔ پنجاب نے خصوصاً اپنے لاکھوں جوانوں کو برطانوی فوج میں شامل کر کے سلطنت برطانیہ کا بازوئے شمشیر ہونے کا لقب حاصل کر لیا۔ جنگ کے آغاز میں ہی انگرس ایکٹ اور ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ نافذ کر کے اخبارات اور صحافتی اداروں پر پابندیاں مزید سخت کر دی گئیں۔ کئی نام ور صحافی نظر بند کر دیے گئے۔ مقامی لوگوں کو ان خدمات کے صلے میں کچھ خوش آئند وعدوں سے نوازا گیا۔ اس مقصد کے لیے ۲۰/اگست ۱۹۱۷ء کو برطانوی پارلیمانی (ہاؤس آف کامنز) میں اتفاق رائے سے ہندوستان کے لیے اپنی آئندہ پالیسی کا اعلان کیا گیا جس کے تحت اہل ہند کو خودمختاری کے سہانے خواب دکھائے گئے۔ معاہدہ لکھنؤ کے بعد ایڈون مانٹیگو (Edwin Montagu) نے دس اراکین کے ساتھ ہندوستان کا دورہ کیا جو اس وقت وزیر ہند کے عہدے پر فائز تھے۔ امپریل کونسل کے دس ارکان اس سے قبل انھیں اپنی تجاویز دے چکے تھے لہٰذا ان تجاویز کی روشنی میں وزیر ہند مانٹیگو اور وائسرائے لارڈ چیمبیفورڈ (Lord Chelmsford) نے جنگ کے خاتمے کے بعد آئینی اصلاحات کے نام پر حکومتِ خوداختیاری کی طرف قدم بڑھانے کا فیصلہ کیا[۶]۔ معاہدہ سیورے (severely) کے نتیجے میں سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے کے بعد مسلمانوں کے جذبات پہلے ہی مشتعل تھے۔ بہت سے برطانوی حلقے اس حق میں بھی تھے کہ جنگ کے دوران مسلمانوں نے جو وفاداری ظاہر کی ہے، اس کے صلے میں انھیں حکومت میں کچھ زیادہ حصہ ملنا چاہیے۔ ابھی مسلمانوں کی جانب سے حکومت خوداختیاری کے لیے ابتدائی قدم ہی لیے گئے تھے کہ ہندوستانی حکومت نے ''دولت

ایکٹ'' نافذ کرنے کی غلطی کر دی ۷۔ جنگِ عظیم ختم ہونے کے بعد قانون تحفظِ ہند کی میعاد ختم ہونے والی تھی لہٰذا حکومتِ ہند اس کی جگہ دوسرے ہنگامی قوانین نافذ کر کے اپنے استعماری مفادات کا تحفظ ضروری تھی، اس مقصد کے تحت تیاری پہلے ہی ہو چکی تھی۔ وزیر ہند کا ۱۰/دسمبر ۱۹۱۷ء کا دورہ اسی سلسلے کی کڑی تھا جس کے بعد مسٹر جسٹس سر سڈنی رولیٹ (Sidney Rowlatt) کی کی سربراہی میں ایک سڈیشن کمیٹی (Sedition Committe) قائم کی جس کے ذمے یہ کام لگایا گیا کہ ہندوستان میں انقلابی تحریکوں کے سلسلے میں مجرمانہ سازشوں کی ماہیت اور حدود کا جائزہ لے اور اس قسم کی سازشوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے جو مشکلات پیدا ہوں، ان کا بھی جائزہ لے کر ضروری ہو تو قانون سازی میں مشورہ دے، تاکہ حکومت ان سے موثر طور پر نبٹ سکے۔ سوئس کمیٹی کے اجلاس بند کمرے میں لاہور اور کلکتہ میں منعقد ہوئے۔ اس نے اپنی رپورٹ ۱۵/اپریل ۱۹۱۸ء کو تیار کر کے حکومتِ ہند کو پیش کر دی ۸۔ اس کمیٹی کی سفارش کے مطابق دو متوازی قوانین کے مسودے تیار ہوئے اور دونوں بل الگ الگ پاس ہو کر ایکٹ بنے، لیکن عوام نے دونوں کو اکٹھا کر کے دولت ایکٹ کا جامع نام دے دیا ۹۔ یہ مسودۂ قانون ۱۹۱۹ء میں ہندوستانیوں کی شدید مخالفت کے باوجود منظور کر لیا گیا۔ اس ایکٹ کے مطابق حکومت ہند کو اختیار دیا گیا کہ جن لوگوں پر دہشت انگیز سرگرمیوں میں حصہ لینے کا شبہ ہو، ان کو بغیر کسی عدالتی کارروائی کے قید کر سکتی ہے ۱۰۔ دراصل جنوبی ایشیا میں جاری متشدد تحریکوں کے دو بڑے مراکز میں سے بمبئی پریزیڈنسی میں پونا اور بنگال پریزیڈنسی میں کلکتہ انقلابی تحریکوں کے بڑے مراکز رہے۔ دونوں تحریکوں کے ربط کے بارے میں حتمی بات کہنا مشکل ہے۔ پونا میں چت پون برہمن انقلابی تحریک پیش پیش تھی۔ بال گنگا دھر تلک اس تحریک کے روحِ رواں تھے جو اپنا کیسری اخبار نکالتے تھے اور ''سیواجی'' کے نام پر اپنی جارحانہ تحریک کو برطانیہ اور ہندی مسلمانوں کے خلاف منظم کر رہے تھے۔ جب کہ کلکتہ مرکز میں بھدرالوک جو کہ متوسط طبقے کے تعلیم یافتہ بنگالی ہندوؤں کی تحریک تھی، برطانوی سرپرستی میں ہی ترقی کر کے اپنے آقاؤں کو ہی آنکھیں دکھا رہی تھی۔ تقسیم بنگال کے عمل نے اس تحریک کو نہ صرف بنگال بلکہ ہندوستان بھر میں مقبول بنا دیا تھا۔ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر (William Wilson Hunter) کی رپورٹ اور بنکم چیٹر جی (Bankim Chandra Chatterjee) کے ناول آنند مٹھ میں ان عزائم پر روشنی ڈالی گئی ہے جس کے تحت عام مسلمانوں کو پس ماندہ رکھنے کے لیے اس تحریک نے کیا کردار ادا کیا۔ اس تحریک نے تنسیخ بنگال کے معاملے میں اہم کردار ادا کیا اور انقلابی (انارکسٹ) نے دہشت گردی کا روپ دھار کر ''بم بازی'' کا سلسلہ شروع کر دیا۔ تاریخ کے اس پس منظر میں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ پونا اور کلکتہ کی ان تحریکوں کو ابتداً خود برطانوی استعماری حکمت عملی نے خوب ہوا دی اور ان کے مطالبات کے سامنے سرنگوں ہو کر ''تنسیخ تقسیم بنگال'' کی صورت میں انعام سے بھی نوازا۔ یہ حقیقت پوری طرح عیاں ہے کہ ان انقلابی (انارکسٹ) تحریکوں سے مسلمانوں کا کوئی واسطہ نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہندو، انگریزوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو بدیسی قرار دے کر خالص ''رام راج'' کے قیام اور ویوک عہد کے احیا کے خواب دیکھ رہے تھے اور یہ

خواب انھیں انگریز دانش وروں اور مؤرخوں نے ہی دکھائے تھے۔ اسی لیے مسلمانوں کو ان انقلابی تحریکوں کے پاس پھٹکنے بھی نہیں دیا جاتا"۔ سیڈیشن کمیٹی نے اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے واضح طور پر لکھا کہ "So far all the trouble had been Hindu" سیڈیشن کمیٹی نے اپنی تحقیقات میں جہاں ہندوؤں کی انارکسٹ تنظیموں کے بارے میں تفصیلی معلومات فراہم کیں اور ان کی دہشت پسندانہ سرگرمیوں کا جائزہ لیا، وہاں اسے مسلمانوں کی کسی ایسی انقلابی (انارکسٹ) تنظیم کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ لے دے کے صوبہ سرحد کے قبائلی علاقوں میں زنگ آلود تلواروں اور توڑے دار بندوقوں سے مسلح سوڈیڑھ سو افراد، لاہور سے پندرہ طالب علموں کی ہجرت برائے جہاد جنھیں افغانستان پہنچتے ہی انگریزوں کے دوست امیر حبیب اللہ نے نظر بند کر دیا تھا، یا پھر ریشمی رومال والی دو چٹھیوں کا انکشاف جو مولانا عبیداللہ سندھی کے خیالی منصوبوں یا کابل میں قائم کسی انقلابی تحریک کے موہوم سلسلے کی کڑی تھی کا ذکر موجود ہے، جن کسی دہشت گردی یا تخریب کاری سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔

ہندوستان میں انقلابی تحریکوں کے بانی وہ انتہا پسند ہندو تھے جو کانگریس کی اعتدال پسند سیاست اور آئینی جدوجہد سے اتفاق نہیں کرتے تھے۔ ان کے مراکز بھی بمبئی اور بنگال کے صوبوں میں تھے۔ رفتہ رفتہ یہ لوگ اپنی سرگرمیوں کو دوسرے علاقوں تک پھیلا رہے تھے، آگے چل کر یہ لوگ پنجاب میں سکھوں کو بھی متاثر کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ دسمبر ۱۹۱۲ء میں وائسرائے ہند لارڈ ہارڈنگ (Lord Hardinge) پر دہلی میں بم پھینکے جانے والا معاملہ ہو یا مختلف مقامات پر ہونے والی دہشت گردی کی کارروائیاں، ہر جگہ یہ لوگ ملوث تھے ان کے کچھ کارندے فرانس، جرمنی اور امریکا میں بیٹھ کر بھی دہشت گردی کی سرگرمیوں کو جاری رکھے ہوئے تھے۔ مثلاً ہردیال سنگھ جو پنجاب یونی ورسٹی سے اسٹیٹ اسکالرشپ حاصل کر کے ۱۹۰۵ء میں آکسفرڈ گیا مگر پھر وظیفہ چھوڑ کر انقلابی تحریک کا سرغنہ بن گیا۔ کچھ عرصے بعد امریکا گیا وہاں جو گیتر آشرم قائم کر کے ''محور'' کے نام سے ایک اخبار بھی جاری کیا۔ امریکی حکام نے ناپسندیدہ قرار دیے جانے کے بعد جرمنی گیا وہاں اس کے ایک اور ساتھی گورودت سنگھ نے غدر پارٹی کی سرگرمیوں کو آگے بڑھانے کے لیے منصوبے کے تحت پنجاب میں ۳۵۱ سکھ اور ۲۱ مسلمانوں کو کینیڈا میں روزگار کا لالچ دے کر کوما گاٹا مارو، نامی جاپانی جہاز کے ذریعے وہاں پہنچایا۔ اس دوران برین واشنگ کر کے کچھ لوگوں کو غدر پارٹی کا رکن بھی بنالیا۔ واپسی پر حکومت ہند کی جانب سے انگریس آرڈیننس کا نفاذ ہو چکا تھا۔ سکھ تارکین وطن نے ٹرین میں سوار ہونے سے انکار کر دیا اور جلوس کی شکل میں کلکتہ جانے لگے جس پر پولیس سے تصادم ہوا۔ نتیجے میں ۸ سکھ ہلاک اور متعدد زخمی ہو گئے۔ ''بج بج'' کے مقام پر رونما ہونے والے اس سانحے کو بڑی شہرت ملی اور پوری دنیا میں مقیم سکھ برطانیہ کے خلاف زہر اگلنے لگے۔ خاصی تعداد وسطی پنجاب کی تھی ان میں بھی اکثر غدر پارٹی کے ارکان تھے جو پنجاب میں آتے ہی دہشت پسندانہ سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے۔ بیرونی طاقتوں نے ان کی حوصلہ افزائی بھی کی۔ حربی نقطہ نظر سے ان کی حوصلہ افزائی بھی کی۔

یہ وہ حقائق ہیں جو حکومت پنجاب کی سالانہ رپورٹوں اور سر مائیکل اوڈوائر لیفٹیننٹ گورنر پنجاب کی تقریروں میں موجود ہیں۔ حالاں کہ عالمی جنگ میں جرمنی کی شکست نومبر ۱۹۱۸ء کے بعد ملک کے داخلی حالات اطمینان بخش تھے۔ یہاں دہشت پسندانہ سرگرمیوں کے سر اٹھانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ پھر نہ جانے انگریز استعمار کو ایسا کون سا خطرہ نظر آیا جس کے تحت رولیٹ ایکٹ (Rowlatt Acts) بنایا جانا ضروری سمجھا گیا۔ ظاہر ہے اس کا مقصد معمول کی سیاسی سرگرمیوں کو کچلنے کے سوا اور کیا ہوسکتا تھا۔ لیفٹیننٹ گورنر سر مائیکل اوڈوائر نہ صرف صحافت کی آزادی اور سیاسی عمل کا سخت مخالف تھا بلکہ ملک کے تعلیم یافتہ طبقے خصوصاً وکلا کا بدترین دشمن تھا۔ اس نے اور اس کے پیش رو گورنر سر کینرل ایبٹن (Sir Denzil Ibbeston) نے تعلیم یافتہ اور اَن پڑھ عوام کی اور شہری اور دیہاتی تفریق پیدا کر کے پنجاب میں سیاسی عمل کو روکنے کی بھرپور تدبیریں کیں۔ یہ تفریق مسلمانوں و سکھوں کے مذہبی قومی اختلافات پر مستزاد تھی۔ اس تفریق پر ہندوستان میں برطانوی استعمار کی پُرشکوہ عمارت تعمیر کی گئی تھی۔ برصغیر میں اس استعماری حکمت عملی کے خلاف مزاحمت میں پنجاب کو ایک سنگ میل کی حیثیت حاصل تھی، اس لیے یہاں معمولی سے سیاسی ارتعاش کو بھی مبالغہ آمیز پیرائے میں بیان کیا جاتا اور اس سیاسی عمل کے آگے بند باندھنے کی کوشش کی جاتی، حالاں کہ دہشت گردی کے اصل مراکز پونا اور کلکتہ میں تھے مگر پنجاب میں پتّے بھی ہلے تو زلزلے کا امکان نظر آنے لگتا ہے [۱۳]۔ اس لیے سیڈیشن کمیٹی اپنی رپورٹ کے آخر میں اپنے تحفظات کا اظہار کچھ اس انداز سے کرتی ہے:

> It will be regretable if revolutionary crime breaks out anew in any province: but if it does it will be disastrous that it should run from province to province, necessitating the proclamation of emergency measures in one after another Further, in a province like the Punjab it any be absolutely necessary in order to avert the gravest danger, to prevent the entry of certain persons coming over from peaceable provinces.

غدر کے حوالے سے کمیٹی نے پنجاب کے سکھوں کی بابت کہا کہ ان کے خیال اور عمل میں وقفہ بہت ہی کم ہوتا ہے، یعنی یہ لوگ عمل میں فوراً سرگرم ہو جاتے ہیں اور سوچنے کا مرحلہ بعد میں آتا ہے۔ سکھوں کی مزاج شناسی کے اس اظہار میں سر مائیکل اوڈوائر کا ذہن کارفرما معلوم ہوتا ہے۔ پنجاب انتظامیہ بھی سر مائیکل اوڈوائر کے اس موقف سے پوری طرح متفق تھی اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ انگریز حکمراں ملک کی سیاسی سرگرمیوں اور باغیانہ سرگرمیوں کو ایک ہی لکڑی سے ہانکنے کی کوشش کر رہے تھے۔ سیڈیشن کمیٹی نے بھی اس حکمت عملی سے مکمل اتفاق کیا اور پھر اس کے سدباب کے لیے ۱۸ر جنوری ۱۹۱۹ء کو مذکورہ دو بل پیش کیے۔ پہلا بل ۶ر فروری اور دوسرا جسے بحث کے دوران واپس لے کر ۱۷ مارچ ۱۹۱۹ء کو دوسرا بل پیش کیا گیا جسے ہندوستانی اراکین کی مخالفت کے باوجود کثرت رائے سے منظور کر لیا گیا۔ ۲۱ مارچ کو وائسرائے کے توثیقی دستخط کے بعد رولیٹ ایکٹ کہلایا [۱۵]۔ اس ایکٹ نے ہندوستان کی شہری آزادی کو یکسر سلب کر لیا۔ اس ایکٹ کے

خلاف نہ صرف تعلیم یافتہ طبقے میں بلکہ عام لوگوں کے اندر بھی غم و غصے کی لہر دوڑ گئی[۱۶]۔ رولٹ ایکٹ کے مسودے کے بعد یہ عام تاثر تھا کہ حکومت برطانیہ اپنے وعدوں کے متعلق بد نیتی دکھا رہی ہے۔ اسی لیے آئندہ ایجی ٹیشن کو دبانے کے لیے قوانین نافذ کرنا چاہتی ہے۔ امپیریل لیجیسلیٹو کونسل کے غیر سرکاری اراکین میں سے محمد علی جناح نے ان قوانین کی سخت مخالفت کی۔ دوسری طرف گاندھی جی نے بھی ایجی ٹیشن کا نیا طریقہ اپناتے ہوئے اس بل کے خلاف ''ستیہ گرہ'' کی تحریک چلانے کا اعلان کر دیا۔ اس نئے اور اچھوتے نعرے نے عوام کے دل و دماغ کو فوراً اپنی طرف متوجہ کیا۔ گاندھی جی نے ۳۰ مارچ بروز اتوار ملک بھر میں ہڑتال کا اعلان کر دیا۔ اگلے دو ہفتوں تک احتجاج کا سلسلہ جاری رہا۔ دہلی پولیس کے ساتھ تصادم میں گولیاں بھی چلیں، لوگ زخمی بھی ہوئے لیکن ۶ اپریل کو پھر جلوس نکالا گیا۔ ان جلسوں اور ہڑتالوں میں مسلمان، ہندو، سکھ سب ہی شریک ہوئے۔ دوسرے صوبوں میں تو یہ تمام مظاہرے پُرامن انداز سے جاری تھے لیکن پنجاب جہاں جابر گورنر مائیکل اوڈوائر کی حکومت تھی اور اس کا چیف سیکرٹری ٹامسن کو اس قسم کی ایجی ٹیشن برداشت نہیں تھی وہ لوگ غیر ضروری سخت گیری پر تُل گئے۔ لاہور اور امرتسر میں جگہ جگہ فوجی دستے تعینات کر دیے گئے[۱۶]۔ اس دوران حکومت سے ایک غلطی یہ بھی ہوئی کہ انڈین نیشنل کانگریس کا اجلاس جو کہ امرتسر میں ہونے والا تھا حکام نے دو سر برآوردہ رہنماؤں کو جو کہ اجلاس کی تیاریوں میں مصروف تھے، گرفتار کر کے نامعلوم مقام پر منتقل کر دیا[۱۷]۔ کمشنر نے ڈاکٹر کچلو اور ڈاکٹر ستیہ پال کو علی الصبح بنگلے پر بلایا۔ عقبی دروازے سے چند پولیس والے انھیں بٹھا کر لے گئے۔ کئی گھنٹوں تک جب یہ واپس نہ آئے تو شہر میں بات پھیل گئی اور مجمع اکٹھا ہو کر ڈپٹی کمشنر کی کوٹھی کی طرف چل پڑا۔ ابھی پولیس سے گفت و شنید جاری ہی تھی کہ عقبی جانب بلکہ نیچے فوجی دستے کے کیمپ سے گولیاں چلا دیں۔ مجمعے نے مشتعل ہو کر پولیس پر دھاوا بولا تو پولیس نے بھی فائرنگ کر دی۔ مجمع منتشر ہوا تو چند مشتعل بلوائیوں نے لیڈری سنبھال کر لوٹ مار اور جلاؤ گھیراؤ شروع کر دیا۔ بدامنی اور تشدد کے دوران ایک انگریز لیڈی ڈاکٹر مس شروڈ (Miss Marcella Sherwood) کو بائیسکل پر جاتے ہوئے ڈنڈے مار کر زخمی کر دیا۔ اس کارروائی کا ردعمل یہ ہوا کہ جب امرتسر شہر فوج کے حوالے کیا گیا تو فوج کے کمانڈر جنرل ڈائر نے انتقاماً یہ حکم دیا کہ جو کوئی اس گلی سے گزرے پیٹ کے بل رینگتے ہوئے گزرے۔ اس حکم کی تعمیل میں کافی لوگ نشانہ بنے جنھوں نے مس شروڈ کی جان بچائی تھی۔ بہر حال اس روز گھنٹوں متشددانہ کارروائی جاری رہی۔ پانچ انگریز ہلاک ہوئے، دو بینک اور چار سرکاری عمارتوں کو نقصان پہنچا[۱۸]۔ مجمعے میں سے بھی ایک دو افراد ہلاک ہوئے، اس قسم کے بلوے شدت سے دوسرے شہروں میں بھی ہوئے[۱۹]۔ ظاہر سی بات ہے کہ جب ہجوم پُرامن نہ رہے تو اسے روکنے کی کوئی نہ کوئی تدبیر تو کرنی ہی ہوتی ہے۔ ہجوم کی خشت باری کے جواب میں ہی فائرنگ کی گئی۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار نے ان تمام انگریز افسروں کی کوششوں اور حکمت عملی کے بیان میں یہ جملہ درست لکھا کہ ''ہماری رائے میں اس فائرنگ کا مکمل جواز تھا''[۲۰]۔ مسٹر یاسر کا تخمینہ ہے کہ ہجوم میں تقریباً ۳۰ ہزار لوگ شریک تھے۔ مذکورہ کارروائی سے قبل ہی شہر میں

تخریب کاری شروع ہو چکی تھی۔ نیشنل بینک سے دھواں اٹھ رہا تھا اور اس کے منیجر مسٹر اسٹیورٹ (Stewart) اور اسسٹنٹ منیجر مسٹر اسکاٹ (Scott) کو ہجوم نے بے رحمی سے مار مار کر ہلاک کر دیا تھا ان کی لاشیں فرنیچر کے جلتے ہوئے ڈھیر میں پھینک دی گئی تھیں۔ اسی طرح الائنس بینک پر حملہ اور مسٹر جی ایم تھامسن (G M Thomson) کی ہلاکت کا واقعہ بھی اسی روز ہوا تھا۔ چارٹرڈ بینک کو بھی آگ لگانے کی کوشش ہوئی لیکن پولیس نے ہجوم کو منتشر کر دیا۔ غرض کہ اس قسم کی تخریبی کارروائیوں کے بعد حکام کے لیے ناگزیر تھا کہ وہ ہر ممکن اقدام کرے۔ ۱۰/اپریل کو فوج کی فائرنگ سے ہلاک ہونے والوں کی تعداد ۱۰ تک جا پہنچی۔ زخمیوں کی تعداد یقیناً بہت زیادہ ہوگی۔ ۱۱/اپریل کو کچھ لوگ ہلاک شدگان کو جلیانوالہ باغ میں دفن کرنے کا عندیہ ظاہر کر کے سول لائنز لائے۔ کمشنر کے مطابق یہ لوگ فسادیوں کے نمائندے نظر آ رہے تھے اور ان کا طرز عمل مخاصمانہ تھا۔ انہیں قبرستان تک محدود اور مختصر پارٹیوں کے ساتھ تدفین کی اجازت دی گئی۔ اس عمل کے لیے دو سے چار بجے کا وقت دیا گیا۔ میتوں کو مسجد خیر الدین سے نکال کر سلطان ونڈ دروازے سے باہر لایا گیا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کا ایک بڑا جلوس ان جنازوں کے عقب میں تھا مگر وہ آگے نہیں گیا۔ تدفین میں آئے نوجوان زیادہ زیادہ تر وکلا تھے۔ شہر میں ہنگامی حالات کا اعلان ہو چکا تھا۔ ڈپٹی کمشنر کے دستخط سے نوٹس تقسیم کیے جا رہے تھے۔ حکام کے مطابق جنگ کی حالت ظاہر ہو گئی ہے لہٰذا محتاط رویہ اختیار کیا جائے۔ بیساکھی کا تہوار بھی قریب تھا لہٰذا خوف ناک صورت حال سے بچنے کے لیے بھی سخت رویہ اختیار کیا گیا۔ امرتسر کی طرف تھرڈ کلاس ریل گاڑی کی بکنگ بھی بند کر دی گئی۔ مسلح فوجی دستے کوتوالی اور دیگر مقامات تک تعینات کر دیے گئے، امرتسر میں کاروبار زندگی مکمل طور پر مفلوج ہو چکا تھا۔ ۱۱/اپریل کو کمشنر لاہور چلے گئے اور جالندھر بریگیڈ کمانڈنگ آفیسر بریگیڈیئر جنرل آر ای ایچ ڈائرسی بی امرتسر پہنچا اور اس نے میجر میکڈونلڈ سے چارج لے لیا۔ ۱۲/اپریل کو جمع ہونے والے ہجوم کو اس نے مضبوط فوجی دستے کی کمان کرتے ہوئے منتشر کروا دیا۔ شہر کے گرد مارچ کر کے لوگوں کو شر پسندی سے روکا۔ ۱۰/اپریل کے ہنگاموں میں ملوث لوگوں کی گرفتاریاں ہوئیں، لوگوں کے طرز عمل اور نفرت انگیز رویے کے خلاف اس نے خبردار کیا کہ اگر فساد اور دنگے کا راستہ نہ چھوڑا گیا تو فوجی قوانین کے تحت سزائیں دی جائیں گی۔ فی الفور اعلان نامہ پولیس کے ذریعے ہر خاص و عام میں تقسیم کیا گیا۔ جگہ جگہ ڈھول بجا کر لوگوں کو اکٹھا کر کے سرکاری اعلان پڑھ کر سنایا گیا[۲۱]۔ اعلان نامہ جو انگریزی میں بنایا گیا تھا اس کے الفاظ یہ تھے:

It is hereby proclaimed to all whom it may concern that no person residing in the city is permitted or allowed to leave the city in his own or hired conveyance or on foot without a pass. No person residing in the Amritsar city is permitted to leave his house after 8. Any persons found in the streets after 8 are liable to be shot. No procession of any kind is permitted to parade the streets in the city or any part of the city or outside of it at any time. Any such processions or gathering of 4 men

would be looked upon and treated as an unlawful assembly and dispersed by force of arms if necessary.

مگران سب احکامات کے باوجودلوگوں نے اسے سنجیدگی سے نہیں لیا بلکہ اسے محض دھونس اور دھمکی سمجھ کر یہ خوش گمانی رکھی گئی کہ جنرل ڈائر فائر نہیں کرے گا۔ایک طرف جنرل ڈائر اعلان کروا کر لوگوں کو متنبہ کر رہا تھا تو دوسری جانب اسی روز ۱۳/اپریل کو جلیانوالہ باغ میں جلسے کے انعقاد کی تشہیر کی جارہی تھی [۲۳]۔اس جلسے کے انعقاد میں ہنس راج پیش پیش تھے جو بعد میں سلطانی گواہ بنے۔ ۱۳/اپریل کی سہ پہر چار بجے جنرل ڈائر کو یہ قطعی اطلاع مل چکی تھی کہ جلیانوالہ میں ایک جلسہ منعقد ہونے والا ہے، وہ اسی وقت رائفلوں سے مسلح ۲۵ گورکھوں اور ۲۵ بلوچیوں کے ساتھ روانہ ہوا۔اس کے علاوہ ۴۰ گورکھے ککڑیوں یعنی چھوٹی تلوار سے مسلح مع دو آرمرڈ کاریں جلیانوالہ باغ جا پہنچا۔باغ کے اندر جانے کا راستہ اتنا کشادہ نہیں تھا [۲۴]۔لندن ٹائمز کے نامہ نگار ویلنٹائن کیرول کے مطابق کسی زمانے میں یہ باغ ہوگا مگر اب ایک بے کار جگہ جس میں عام طور پر میلے لگتے یا جلسے ہوتے۔اس کا رقبہ ٹرافلگار اسکوائر کے برابر ہوگا۔اس کے چاروں جانب دیسی لوگوں کے مکانات اور اونچی دیواریں ہیں۔باغ میں داخل ہونے یا نکلنے کا کوئی باقاعدہ راستہ نہیں تھا۔نکاسی کی پتلی پتلی جگہیں ضرور تھیں جن سے بہ مشکل کوئی شخص گزر سکتا تھا۔جلیانوالہ باغ کا جلسہ بڑی جلد بازی میں بلوایا گیا تھا۔ ۱۰/ ۱۱/اور ۱۲/اپریل کو امرتسر میں ہونے والے واقعات نے لوگوں میں غم و غصے کی جو لہر دوڑا دی تھی لوگ اس کا اظہار کرنا چاہتے تھے اور سر مائیکل اوڈوائر کے آمرانہ اقدام کے خلاف تقریریں کرنا چاہتے تھے [۲۵]۔کیوں کہ برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں جتنے بھی یورپی یا انگریز افسران گزرے ہیں ان میں سے شاید ہی کسی نام کو تاریخ نے اتنا ملعون و مطعون کیا ہو جتنا جنرل ڈائر کو [۲۶]۔ظاہر سی بات ہے اس کے کارنامے بھی اتنے ہی بڑے تھے۔ ۱۳/اپریل کو جب کہ کسان اپنا بیساکھی کا تہوار بھی منا رہے تھے، باغ میں داخل ہوتے ہی اس نے پچیس فوجیوں کو داخلے کے راستے کے ایک طرف اور ۲۵ کو دوسری طرف کھڑا کیا [۲۷]۔

سر ویلنٹائن کیرول (Sir Valentine Chirol) جو اس وقت وہیں موجود تھے، کے مطابق ڈائر نے مجمعے کو وارننگ دیے بغیر محض سو گز کے فاصلے سے گولیوں سے بھوننا شروع کر دیا۔یہ مجمع بالکل نہتا تھا اور کسی لحاظ سے اپنا بچاؤ نہیں کر سکتا تھا۔دس منٹ تک گولیوں کے فائر چلتے رہے۔ڈائر نے ۱۶۵ گولیاں چلوائیں۔انسانوں کا مجمع اس مجمعے میں اس طرح گھرا ہوا تھا جیسے چوہے پھندے میں پھنسے ہوتے ہیں۔لوگ ان تنگ راستوں سے نکلنے کی ناکام کوششیں کرتے رہے لیکن ڈائر ان جگہوں پر جہاں بھیڑ زیادہ ہوتی تاک کر نشانہ بازی کرواتا [۲۸]۔ایک اور عینی شاہد لالہ گروہاری لال جو اپنے مکان سے یہ سارا تماشا دیکھ رہے تھے کا کہنا ہے کہ اس موقع پر سیکڑوں آدمیوں کو مرتے دیکھا۔سب سے تکلیف دہ بات یہ تھی کہ فائرنگ ان راستوں پر کی جارہی تھی جن سے لوگ باہر نکلنے کی کوشش کر رہے تھے [۲۹]۔فوجیوں نے کُل ۱۶۵

راؤنڈ چلائے[۳۰]۔ فائرنگ اس وجہ سے بند نہیں ہوئی کہ ڈائر کو نہتے لوگوں پر رحم آ گیا تھا بلکہ مولانا محمد علی جوہر کے مطابق فائرنگ اس لیے بند ہوئی تھی کہ اس کے پاس گولیوں کا ذخیرہ ختم ہو گیا تھا[۳۱]۔ اشرف عطا کے مطابق:

۱۳/اپریل ۱۹۱۹ء کو بیساکھی کے روز جلیانوالہ کے احتجاجی جلسے پر جنرل ڈائر نے انگریز سپاہیوں کے کئی دستوں کے ساتھ اندھا دھند گولیاں برسانا شروع کر دیں۔ نوجوان گولیوں کھا کھا کر گرتے تھے اور ان کی جگہ اور نوجوان کھڑے ہو جاتے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے جلیانوالہ باغ میں صرف خونِ انسانی کی ندیاں بہنے لگیں۔ زخمی کر دینے اور کراہتے ہوئے نظر آنے لگے جو لوگ اس خوفناک آتش بازی میں جان بچانے کے لیے بھاگے وہ جلیانوالہ باغ کے کنویں میں گر کر جاں بحق تسلیم ہو گئے۔ جلیانوالہ میں ہر طرف لاشیں بکھری ہوئی تھیں اور کنواں لاشوں سے اَٹ گیا تھا[۳۲]۔ اس روز ہلاک اور زخمی ہونے والوں کی تعداد میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ بعض مؤرخین نے معروف حقیقت یعنی ۱۳/اپریل ۱۹۱۹ء کو ہونے والے اس واقعہ کی تاریخ تک غلط درج کی ہے۔ سید ہاشمی فرید آبادی نے سہواً لکھا کہ: ''۱۲/اپریل کو امرتسر میں ایک اصور مقام پر لوگ جمع تھے، جنرل ڈائر نہتی رعایا پر برابر گولیاں برساتا رہا۔ یہ واقعہ جلیانوالہ باغ سے منسوب ہے''[۳۳]۔

ہاشمی صاحب نے یہ بھی لکھا کہ سرکاری اعتراف کے مطابق کم و بیش چار سو آدمی مارے گئے اور زخمیوں کا کوئی شمار نہیں[۳۴]۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے بھی سیتا رامیا کا حوالہ دے کر مرنے والوں کی تعداد سرکاری طور پر ۴۰۰ ہی درج کی ہے جبکہ زخمیوں کی تعداد ایک سے دو ہزار تک درج کی ہے[۳۵]۔ عبدالرزاق قریشی نے لکھا کہ ''چند سیکنڈ میں پانچ سو مقتول اور پندرہ سو آدمی زخمی ہوئے[۳۶]۔ عبدالماجد بدایونی نے اپنے مضمون وولٹ بل میں ان وحشیانہ اقدام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جنرل ڈائر کے بیان کا حوالہ دے کر پانچ سو ہلاکتوں اور ۱۵۰۰ زخمیوں کی تصدیق کی ہے[۳۷]۔ ابوالہاشم ندوی نے بھی لکھا کہ زخمیوں اور مُردوں کی تعداد ہزار سے کسی طرح کم نہ تھی[۳۸]۔ ایس کے موجمدار نے لکھا کہ ''اس الم ناک واقعہ میں ۵۰۰ سے زائد افراد ہلاک اور ایک ہزار سے زیادہ شدید زخمی ہوئے''[۳۹]۔ تاراچند نے اس بابت درست لکھا کہ مقتول اور زخمی لوگوں کی تعداد کبھی معلوم نہیں ہو سکے گی۔ سرکاری بیان کے مطابق مرنے والے ۳۷۹ تھے[۴۱]۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار نے بھی ۳۷۹/افراد کی ہلاکت اور ۱۲۰۰/مجروحین کا ذکر کیا ہے[۴۲]۔ موتی لال نہرو کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق مرنے والوں کی تعداد ایک ہزار تک قرار دی جائے تو مبالغہ نہ ہوگا[۴۳]۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جلیانوالہ کا سانحہ ایک سوچا سمجھا منصوبہ تھا۔ یہ فعل ایک طے شدہ ارادے کے مطابق تھا۔ اس کا ثبوت خود ڈائر کے ارسال کردہ ۲۵/اگست ۱۹۱۹ء کی وہ رپورٹ ہے جو اس نے جنرل اسٹاف ۱۶ ڈویژن کو بھیجی تھی۔ اس رپورٹ کے مطابق:

> I fired and continued to fire till the crowd dispersed, and I considered that this is the least amount of firing which would produce the necessary moral and widespread effect it was my duty to produce if I was to justify my action. If more

troops had been at hand the casualties would have been greater in proportion. It was no longer a question of merely dispersing the crowd, but one of producing a sufficient moral effect, from a military point of view, not only on those who were present, but more specially throughout the Punjab There could be no question of undue severity.

اس کی بربریت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اسے اپنے کیے پر کبھی شرمندگی نہیں ہوئی۔ پھر اس نے جس مجمعے پر فائر کیا اس میں بوڑھے، بچے اور عورتیں بھی شامل تھیں۔ باغ کی دیوار پھاند کر بھاگنے والوں کو بھی تاک تاک کر نشانہ بنایا گیا[۴۵]۔ ڈائر کے نزدیک مجمعے میں شامل لوگ باغی تھے اور انھیں سبق سکھانا ضروری تھا۔ ہلاک شدگان میں ۸۷ لوگ بیرونی دیہات کے رہنے والے تھے[۴۶]۔ اس کے معاندانہ رویے کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ فائرنگ کے بعد اس نے زخمیوں کی طبی امداد کی بابت پوچھے گئے سوال کے جواب میں واضح طور پر کہا کہ No certainly not. It was not my job.

جنرل ڈائر کے اس سفاکانہ اقدام پر برطانیہ میں بھی خوب شور شرابہ برپا ہوا۔ ایک گروہ جنرل ڈائر کا مداح تھا، ان کے مطابق جنرل ڈائر کا ہر اقدام درست تھا کیوں کہ اس نے شرپسندوں کو ایسا سبق دیا تھا کہ ہندوستان ایک نئے غدر سے بچ گیا، جبکہ دوسری جماعت کا کہنا تھا کہ ڈائر کی درندگی اور سفاکی نے برطانیہ کے دامن پر ایسا دھبہ لگا دیا ہے جو جون آف آرک کو زندہ جلا دینے کے بعد سے اب تک رونما نہیں ہوا تھا۔ یہ ایک ایسا لرزہ خیز اقدام تھا جس نے محض ۲۸ سال کے قلیل عرصے میں برطانیہ عظمیٰ کو اس جگ مگاتے ہوئے ہیرے سے محروم کر دیا۔ ۱۹۹۲ء میں ڈائر کو تحقیقاتی کمیشن کے آگے جواب دہ ہونا پڑا۔ سینٹر کمیٹی کے چشم دید گواہوں نے جو بیانات دیے وہ سب ڈائر کے خلاف جاتے ہیں[۴۸]۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار نے بھی لارڈ ہنٹر کمیٹی کی رپورٹ جلد ۲ بہ عنوان (Disorders Inquiry Committee Report) اور کانگریس کی قائم کردہ تحقیقاتی کمیٹی برائے پنجاب کی رپورٹ بہ عنوان Report of the commissioners appointed by the Punjab sub-committee of the Indian National Congress کے بنیادی ماخذ کے چیدہ چیدہ نکات کی نقول اور تشریحات کو اپنی تصنیف کا حصہ بناتے ہوئے بہت تفصیل سے اس سانحے پر روشنی ڈالی ہے[۴۹]۔

جلیانوالہ باغ میں بے گناہ انسانوں کے قتل عام کے اصل ذمے داروں کے تعین میں ہنٹر کمیٹی اور کانگریس کمیٹی دونوں ہی متفق تھے۔ سر ہنٹر کمیٹی کی تحقیقات کے مطابق جنرل ڈائر پر جرح کے دوران یہ بات ثابت ہوئی کہ اس قتل عام کا ذمے دار صرف اور صرف جنرل ڈائر ہی تھا۔ اس کا نام تاریخ میں مجرم کی حیثیت سے چند سفاک ترین لوگوں میں شمار ہونے لگا۔ لیکن اصل مجرم یا مجرموں کے چہرے پردۂ اخفا ہی میں رہے۔ وزیر ہند مانٹیگو اور وائسرائے چیمسنورڈ فیروز اس راز سے آگاہ ہوں گے مگر امور سلطنت کی مصلحتوں نے انھیں منہ نہ کھولنے دیا۔ بہت سی دستاویزات پردہ اخفا میں رہیں۔ کچھ راز لوگ سینوں میں چھپائے منوں مٹی تلے دفن ہو گئے۔ سر چارلس منرو جو ڈائر کے دوست بھی تھے نے برطانیہ کے سیاسی

حالات کے پیش نظر کورٹ مارشل کی کارروائی سے گریز کیا۔ ۸ رمئی ۱۹۹۲ء کو جنرل ڈائر کو اعزازات اور پنشن کے بغیر فوج سے برخاست کر دیا گیا۔ جنرل سر ہیوک ہڈسن نے بطور ایڈ جوائنٹ جنرل یہ فیصلہ پڑھ کر سنایا۔ نیز افغان مہم کے دوران اسے جو کمانڈر آف دی آرڈر آف دی برٹش ایمپائر کا جو اعزاز دیا گیا تھا وہ بھی واپس لے لیا گیا۔ فوج سے نکالے جانے پر ایک ملا جلا ردعمل سامنے آیا۔ اس کے سوانح نویسوں کے مطابق وہ عمر بھر اپنی جھوٹی انا اور بے سروپا منطق کا دفاع کرتا رہا اور اندر ہی اندر عجیب کش مکش کا شکار رہا۔ ۲۳ رجولائی ۱۹۲۷ء کو اس ذہنی دباؤ کی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی[۵۰]۔

جنرل ڈائر کی بابت جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ برطانوی استعمار اور مغربی دنیا دو واضح حصوں میں بٹی دکھائی دیتی ہے۔ Rupert Furneaun کی "Swinson 1963 Massacre At Amritsar"۔ winson Arthur کی "Sir minutes to snsct" ۱۹۶۴ء اور Alfred Arther Deuper کی "The massacre that ended the Raj" ۱۹۸۱ء میں جنرل کو ''قومی ہیرو'' کی صورت میں پیش کیا گیا۔ جب کہ امریکی مصنف Stanley Wolpert کی تصنیف ۱۹۸۵ *An Error of Judegment* ء میں Fiction کے انداز میں حقائق سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی گئی ہے[۵۱]۔ رڈ یارڈ کپلنگ (Rudyard Kipling) جیسے نام ور ادیب نے اس سے ہمدردی کے اظہار کے لیے ۲۶۰۰ پونڈ مالیت کا فنڈ قائم کیا[۵۲]۔

ہم اس خونی ڈرامے میں جنرل ڈائر کو مرکزی ملزم تو ضرور سمجھتے ہیں لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس تمام واقعے میں جنرل ڈائر کی حیثیت ایک بوچر کی تھی، جسے پنجاب کے انتظامی حکام لیفٹیننٹ گورنر سر مائیکل اوڈوائر اور ان کے ماتحت افسران نے اپنے مکروہ مقاصد کی تکمیل اور انتقامی جذبے کی تسکین کے لیے استعمال کیا۔ انھیں حکام نے تحقیقات میں جنرل ڈائر کو قربانی کا بکرا بنا کر اپنا دامن چھڑایا۔ جنرل ڈائر ذہنی کش مکش کا شکار ہو کر جب دار فانی سے کوچ کر رہا تھا تو اس کے آخری الفاظ میں ایک عجیب طرح کی یاس ٹپکتی تھی۔ آخری روز اس کی بیوی اور بہو اس کے پاس بیٹھے تھے تو اس نے جاں بہ لب انداز سے اظہار کرتے ہوئے کہا کہ: Thank you, but I did't want to get better. So many people who know the conditions in Amritsar say I did right... but so many others say I did wrong. I only want to die and know from my maker whether I did right or wrong!

حقیقت یہ ہے کہ اگر جنرل ڈائر دور اندیشی سے کام لے کر افہام و تفہیم سے مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کرتا تو شاید اتنا بڑا سانحہ رونما ہی نہ ہوتا۔ سعادت حسن منٹو کا تو کہنا تھا کہ روز ویلٹ ایکٹ کے خلاف ایجی ٹیشن کے دوران سر مائیکل اوڈوائر، ڈیفنس آف انڈیا رولز کے ماتحت گاندھی جی کا داخلہ پنجاب میں بند نہ کرتے تو جلیانوالہ باغ کا سانحہ رونما ہی نہ ہوتا[۵۳]۔ اس لحاظ سے المیہ پنجاب کا اصل مجرم سر مائیکل اوڈوائر تھا۔ لارڈ چیمسفورڈ کو اس کا شریکِ جرم قرار دے سکتے ہیں، کیونکہ وہی اس بڑے مجرم کے مکروفریب اور کذب و افتراع کی پردہ پوشی کر رہا تھا۔ جلیانوالہ کا قتل عام یعنی اس کے ایما پر

ہوا۔ پنجاب میں مارشل لا لگوا کر اور اسے طول دے کر اس نے اہل پنجاب کے حوصلے پست کرنے کی مکروہ سازش کی۔ وہ پنجاب کے دیہی عوام کو اپنے یالتو مویشی سے زیادہ اہمیت دینے کو تیار نہیں تھا۔ اجتماعات، جلسے، جلوسوں پر پابندی، جبری فوجی بھرتی وغیرہ جیسے اقدام سے اہل پنجاب کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ لیکن پنجاب کا یہ جابر حکمراں اور جلیانوالہ باغ کے قتل عام کا یہ مجرم حکومت کی مصلحت کی بدولت سزا سے محفوظ رہا۔ لیکن قدرت کے انتقام کے آگے اس کی بے بسی قابل دید تھی۔ جلیانوالہ باغ کے مقتل کا ایک زخمی یتیم بچہ انتقام کی آگ سینے میں لیے موقع کی تاک میں رہا۔ مستام گاؤں کا یہ بچہ اس وقت محض پندرہ سولہ برس کا تھا، اودھم سنگھ نے زخمی حالت میں لاشوں کے ڈھیر میں چھپ کر اپنی جان بچائی، لیکن اسی روز عہد کر لیا کہ جب بھی اسے موقع ملے گا وہ سانحہ جلیانوالہ کے قائد کو کیفر کردار تک پہنچائے گا۔ ۱۲/اگست ۱۹۴۰ء کو یہ موقع اس کے ہاتھ لگا۔ اس روز کشن ہال لندن میں ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن اور رائل سینٹرل ایشین سوسائٹی کے زیر اہتمام جلسہ تھا۔ سر مائیکل اوڈوائر خطاب کر کے جیسے ہی ڈائس سے اترا اودھم سنگھ کے ریوالور کی گولیوں کا نشانہ بن گیا، وہیں اس نے دم توڑ دیا۔ لارڈ زیٹ لینڈ اور لوئس ڈین زخمی ہوئے۔ اودھم سنگھ نے گرفتاری کے بعد اپنا نام محمد سنگھ آزاد بتایا۔ اسے ۲۸ جولائی ۱۹۴۰ء کو پھانسی دے دی گئی[۵۵]۔

جلیانوالہ باغ کی قتل گاہ نے پورے برصغیر کو لرزا کر رکھ دیا۔ شہر شہر، قریہ قریہ جلسے، جلوس، مظاہرے اور ریلیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان جلوسوں پر بھی گولیاں برسائیں گئیں۔ طلبہ اور عوام کا جلوس پیر منڈی میں نوگزے کی خانقاہ کے قریب سے گزرا تو برطانوی استعمار کے گماشتے سر عمر حیات خان ٹوانہ اور نواب محمد علی قزلباش نے اہل جلوس پر فائرنگ کر دی جس سے ایک نوجوان طالب علم ہری رام ہلاک ہو گیا۔ مسٹر حسن الدین اور میاں فیروز الدین احمد کو ڈنڈا فوج بنانے کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ لالہ لال چند فلک، مہند جی، لالہ پنڈت داس اور بعض دوسرے لیڈروں کو مارشل لا ایکٹ کے تحت گرفتار کر کے بیس بیس سال قید کی سزائیں دی گئیں۔ گوجرانوالہ میں ریلوے اسٹیشن نذر آتش کرنے کے الزام میں شیخ عطا محمد، جسٹس شیخ دین محمد، ملک لال خاں اور دوسرے رہنماؤں کو گرفتار کیا گیا۔ پورے پنجاب میں پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی۔ امرتسر میں خلافت اور جمعیت العلماء ہند کے اجلاس منعقد ہوئے۔ ہندو مسلمان اور سکھوں کے سرکردہ رہنما امرتسر پہنچنا شروع ہو گئے۔ امرتسر ہی کے جلوس میں تحریک عدم تعاون، تحریک خلافت اور تحریک ہجرت شروع ہوئیں۔ ڈائر نے جو مظالم پنجاب میں ڈھائے اور جس بربریت کا مظاہرہ کیا اس کی وجہ سے نوجوانوں کے دلوں میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔ برصغیر کی آزادی کا نعرہ بلند ہونے لگا[۵۶]۔ مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کو بھی اس دوران رہائی ملی تو فوراً ۳۱ دسمبر ۱۹۱۹ء کو ہونے والے کانگریس کے اجلاس میں شرکت کرنے کے لیے امرتسر پہنچے۔ اجلاس میں کی گئی تقریر سے پنڈال میں ایسا محسوس ہوا کہ شیر کی گرج تھی جس نے سامراج کے قصر فلک رفعت میں تزلزل پیدا کر دیا ہے۔ اس تقریر میں مولانا جوہر نے برطانوی سامراج کو للکارتے ہوئے واضح طور پر کہا کہ:

جلیانوالہ میں لوگ جمع تھے، اس نے ان پر گولیاں نہ چلائیں بلکہ اس نے ہمارے دلوں پر گولیاں چلائیں۔ اس نے ایک نئی آگ بھڑکا دی ہے جس میں ہندو مسلمان ایک نئی قوم پیدا ہو رہی ہے، وہ دنیا میں جس قدر ظالم گزرے ہیں ان میں سے صرف دو ظالموں کو ملامت کرنا بے کار ہے، تاوقت یہ کہ آپ اپنے دل میں یہ بات ٹھان نہ لیں کہ آج کے بعد سے آپ پھر ہرگز ظلم برداشت نہ کریں گے [۵۷]۔ غرض کہ ''ان واقعات نے ہندوستان بھر میں ہر طبقے اور ہر فرقہ کے لوگوں کے دلوں کو ہلا دیا [۵۸]۔

مولانا محمد علی جوہر نے جنرل ڈائر کی شخصیت کا تجزیہ کرتے ہوئے درست کہا کہ:

ڈائر کے جسم میں امپیریلزم (سامراج) کی روح تھی۔ اس کو یہ تو گوارا تھا کہ ہزاروں بے گناہ ہندوستانی اس کے فوجی دستوں کی گولیوں کا شکار ہو جائیں لیکن یہ ہرگز گوارا نہ تھا کہ ایک ہندوستانی بھی اس پر ہنس سکے اور اس کے احکام کی خلاف ورزی کر کے اس کے رعب و داب کا مذاق اڑا سکے [۵۹]۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ اس زمانے کے اخبارات و رسائل نے اس پورے عمل میں کھل کر حکومتی اقدام کو ہدفِ تنقید بنایا لیکن طاقت کے زعم میں مبتلا برطانوی حکومت ان باتوں پر کان دھرنے کو تیار نہیں تھی۔ زمانہ کانپور کے اداریوں میں رولٹ بل اور جلیانوالہ کے سانحہ کی بابت لکھا گیا۔ زمانہ نے تو رولٹ بل کی ابتدا ہی میں کہہ دیا تھا کہ کونسل کے اندر اور باہر زور و شور سے اس بل کے خلاف صدائے احتجاج بلند کیا جا رہا ہے [۶۰]۔ اسی طرح اینگلو انڈین احباب اور پارلیمنٹ کی جانب سے جنرل ڈائر کی حمایت پر بھی رفتار زمانہ کے عنوان سے لکھے گئے اداریے میں حیرت کا اظہار کیا گیا [۶۱]۔ ہمدرد دہلی نے بھی طنزیہ انداز سے کہا کہ یورپ کے میدانِ جنگ میں وفادارانہ قربانیوں کا صلہ رولٹ ایکٹ کی صورت میں ملا [۶۲]۔ پنجاب کے تقریباً ہر شہر میں اس بل کے خلاف زبردست مظاہرے کیے گئے تھے۔ لاہور، قصور، گوجرانوالہ، راولپنڈی، شیخوپورہ، شانگلہ، گجرات، ملکوال، لائل پور غرض کہ ہر جگہ حکومت کے خلاف کارروائیاں جاری رہیں [۶۳]۔

انگریزوں کی جانب سے بھی سختیوں میں اضافہ ہوا۔ ہندوستانیوں کی بے عزتی کو معمول بنا لیا گیا۔ سڑک پر یورپین افسر کو دیکھ کر سلام نہ کرنے پر سزائیں ملتیں، کالج کے طلبہ سے سرکاری دفتر کے سامنے سرزنش کے طور پر پریڈ کرائی جاتی۔ انھیں کوڑے مارے جاتے، مقدمے چلائے بغیر نظر بند اور کچھ دنوں یا ہفتوں کے لیے جیل میں قید رکھا جاتا۔ پروفیسروں کو بھی گرفتار کر کے تین میل کی دوری پر واقع قلعے میں گھنٹوں کے لیے نظر بند کر دیا جاتا [۶۴]۔ لیکن ان مظالم کا نتیجہ بہر حال برطانوی حکومت کے حق میں نہیں نکلا۔ اس حادثۂ خونیں نے ہندوستان کے طول و عرض میں سیاسی بے داری کی ایک لہر پیدا ہوئی۔ اب عام ہندوستانی باشندے کی نظر میں حقوق و مراعات کی باتیں پرانی ہو چکی تھیں اور وہ اب کامل آزادی کا طلب گار تھا [۶۵]۔ ان تمام حالات کو ہمارے ادیبوں اور شعرا نے بھی محسوس کیا، اردو ادب نے ان حالات کی تصویر پیش کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ نئے اخبارات وجود میں آئے، رسالے چھپنے لگے، تند و تیز مضامین کی اشاعت ہونے لگی، شعرا کی نظمیں روح کو تڑپانے اور قلب کو گرمانے لگیں۔ ان تحریکوں کا اثر ملک و قوم پر اس قدر تھا کہ غلام بھیک نیرنگ، چوہدری خوشی محمد

خان ناظر، آغا حشر، سید ہاشمی مرید آبادی جیسے جمود پسند اور شبلی، حسرت اور اقبال جیسے شر افشانی کرنے والوں کا کلام ہماری انقلابی شاعری کی یادگار بنا[۶۶]۔ بالخصوص جلیانوالہ کے موضوع پر متعدد فلمیں بھی بنائی گئیں۔ بلراج ناج نے جلیانوالہ باغ کے نام سے ہی ۱۹۷۷ء میں فلم پیش کی جس میں اودھم سنگھ کی زندگی کے واقعات کو قلم بند کیا گیا۔ فلم کا کچھ حصہ برطانیہ میں بھی عکس بند کیا گیا۔ ۱۹۸۴ء میں رچرڈ اٹینبرو کی فلم گاندھی میں اس واقعے کے بارے میں بیان کیا گیا ہے، اس فلم میں جنرل ڈائر کا کردار ایڈورڈ فاکس نے ادا کیا۔ اس فلم میں جلیانوالہ باغ کے قتل عام اور پھر ہونے والی تحقیقات کو عکس بند کیا گیا ہے۔ اس طرح دی لیجنڈ آف بھگت سنگھ (The Legend of Bhagat Singh) میں بھی ان واقعات کا پس منظر دکھایا گیا ہے۔ ڈاؤن ٹاؤن ایبے (Downton Abbey) کی پانچویں قسط ۲۰۱۴ ذ میں سٹی آف گھوسٹس (City of Ghost) کا کچھ حصہ ۲۰۰۹ء، اور رنگ دے بسنتی کے کچھ حصوں میں بھی ان واقعات اور قتل عام کے مناظر کو عکس بند کر کے فلم کی شکل میں پیش کیا گیا[۶۷]۔

بیسویں صدی کے آغاز میں اردو شاعری پر بھی ان قومی اور سیاسی تحریکوں کا گہرا اثر ہوا۔ جدوجہد آزادی کے لیے ذہنی فضا تیار کرنے میں اردو خاطر خواہ حصہ لے رہی تھی۔ حسرت سے اس دور کی اردو غزل میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ شعر و ادب کے معاملے میں وہ جتنے اعتدال پسند تھے، سیاسی طور پر اتنے ہی نڈر، بے باک اور انتہا پسند۔ وہ بغاوت اور انقلاب کے علم بردار تھے۔ بیسویں صدی میں حسرت نے جب ہوش سنبھالا تو اس زمانے میں سیاسی شورش کی لے کافی تیز ہو چکی تھی۔ انگریز حکومت کی کل سرگرمیاں سیاسی مصلحتوں کے تابع تھی۔ وہ ہندوستان کو آزادی کے بجائے اس کی پرچھائیں سے بھی مطمئن کرنا چاہتی تھی۔ حکومت کے اس رویے کی وجہ سے کانگریس قیادت اعتدال پسندوں کے ہاتھ سے نکل کر انتہا پسندوں کے ہاتھوں میں آ گئی تھی۔ اعتدال پسندوں کے لیڈر رکھو کھلے اور رانا ڈے تھے جو آئینی جدوجہد کے ذریعے اپنے حقوق منوانا چاہتے تھے۔ انتہا پسندوں کے سرکردہ رہنما مال گنگا دھر تلک تھے۔ یہ کانگریس کے لبرل رجحان کے سخت مخالف تھے۔ ان کے والہانہ جذبہ آزادی اور غیر معمولی قوت عمل نے انھیں جلد سارے ہندوستان میں مقبول بنا دیا۔ حسرت کا فطری رجحان بھی تلک کی طرف ہی تھا۔ ان کی پر جوش طبیعت، بلند ہمتی اور حریت پسندی انھیں کسی اور طرف لے بھی نہیں جا سکتی تھی۔ تلک سے ان کی محبت عقیدت کا درجہ رکھتی تھی[۶۸]۔ برطانوی حکومت کی شوق رزم آرائی اس زمانے میں نئے نئے قوانین کی شکل میں مسلط کی جا رہی تھی۔ رولٹ ایکٹ کے نفاذ نے اہل ہند کی امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا ایسے میں حسرت کی کی شاعری بھی کروٹ بدلتے احساس کی ترجمان بنی۔ انھوں نے انگریزوں کی جانب سے اصلاحات اور قانون کے نفاذ کے نام پر جبریہ قانون کی کھل کر مخالفت کی۔ ایک غزل میں انھوں نے کہا کہ:

پردۂ اصلاح میں کوشش تخریب کا خلقِ خدا پر عذاب دیکھیے کب تک رہے
نام سے قانون کے ہوتے ہیں کیا کیا ستم جبر یہ زیر نقاب دیکھیے کب تک رہے

دولتِ ہندوستاں قبضۂ اغیار میں بے عدو و بے حساب دیکھیے کب تک رہے
حسرتِ آزاد پر جور غلامانِ وقت ازرہِ بغض و عتاب دیکھیے کب تک رہے[۶۹]

مانٹیگو ریفارم کو بھی حسرت شک کی نظر سے دیکھتے تھے، وہ ہندوستان کی مکمل آزادی کے خواہاں تھے، اسی لیے وہ بہلاوے کے لیے کیے جانے والے اقدام کو محض دھوکا اور انگریزوں کی چال سے تشبیہ دیتے تھے۔ وہ مکر کی ان چالوں کی بابت کہتے ہیں کہ:

کس درجہ فریب سے ہے مملو تجویز رفارمِ مانٹیگو
مشہورِ زمانہ ہیں، مسلّم دستور کے حسب ذیل پہلو
قانون پہ اختیارِ کامل عمال پہ زور، زر پہ قابو
ان میں سے نہ ہو جب ایک کی بھی گل ہائے رفارم میں کہیں بو
کاغذ کے سمجھیے پھول ان کو جن میں نہیں نام کو بھی خوش بو
مدراس کے ڈاکٹر کا یہ قول کس درجہ ہے دل پذیر و نیکو
مقصود ہے صرف یہ کہ تا جنگ ہم سب رہیں ''صرفِ ایں تگاپو''
اے ہندی، سادہ دل خبردار! ہر گز نہ چلے یہ تجھ پہ جادو
کیا پائے گا خاک پھر جب ان سے اس وقت بھی کچھ نہ لے سکا تو[۷۰]

حسرت جب ہندوستانیوں کو انگریزوں کے مکر و فریب کا شکار ہونے سے کامل آزادی کے خواب دکھا رہے تھے۔ وقتی فائدے کے بجائے وہ حتمی منزل کی جستجو کر رہے تھے۔ اسی لیے نجات ہند کو صرف اور صرف جدوجہد اور عزم پیہم کے ذریعے ممکن بنانے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ شعر دیکھیے:

اے کہ نجات ہند کی دل سے ہے تجھ کو آرزو ہمتِ سربلند سے یاس کا انسداد کر[۷۱]

اسی لیے وہ بال گنگا دھر تلک کے نقش پدم پر چلتے ہوئے خودداری اور غلامی سے مکمل نجات کی طرف قدم بڑھانے کا مشورہ دیتے ہیں۔ وہ تلک کی طرح پورے ہندوستان میں حق و عمل کا پیغام عام کرنے کے خواہش مند دکھائی دیتے ہیں۔ اسی لیے وہ تلک کی کوششوں کو سراہتے ہوئے انھیں خراج تحسین پیش کرتے ہیں:

اے تلک اے افتخارِ جذبۂ حبِّ وطن حق شناس و حق پسند و حق یقین و حق سخن
تجھ سے قائم ہے بنام آزادیِ بے باک کی تجھ سے روشن اہلِ اخلاص و صفا کی انجمن
سب سے پہلے تو نے کی برداشت اے فرزندِ ہند خدمت ہندوستاں میں کلفتِ قیدِ محن
تو نے خودداری کا پھونکا اے تلک ایسا فسوں یک قلم جس سے خوشامد کی مٹی رسمِ کہن

ناز تیری پیروی پر حسرتِ آزاد کو اے تجھے قائم رکھے تا دیر پر ربِّ ذوالمنن

۷۲

ظفر علی خان کے ہاں بھی انقلابی شعور کی گہرائی نظر آتی ہے۔ عملی سیاست کے ساتھ ساتھ قومی زندگی کا کوئی ایسا گوشہ نہیں جو ان کے کلام میں موجود نہ ہو۔ پنجاب کے سانحات پر تو ان کی گہری نظر تھی، امرتسر میں ہونے والے خونیں سانحے اور اوڈوائر کی غضب ناکی پر لکھی گئی نظم مارشل لا کا انداز ملاحظہ کیجیے:

حکومت جن دنوں پنجاب میں تھی مارشل لا کی توقابل دید کے تھی اوڈوائر کی غضب ناکی
جب امرتسر میں ہم پر گولیاں برسیں تو ہم سمجھے کہ بوندیں ہیں یہ اہل ہند کے خونِ تمنا کی
مساوات اس کو کہتے ہیں کہ مشقِ قطع اعضا میں نہ بوڑھوں ہی کو دیکھا اور نہ بچوں کی پروا کی
جنابِ اوڈوائر کی بم اندازی کے کیا کہنے ثریّا کے بسنے والے سیر کرتے تھے ثریا کی ۷۳

جلیانوالہ کے سانحے کے بعد بھی جس طرح کا سلوک لوگوں کے ساتھ روا رکھا گیا، کبھی پیٹ کے بل رینگ کر چلنے پر مجبور کیا جاتا، کبھی کوڑے مارے جاتے اور جیل میں دنوں ہفتوں اور مہینوں کے لیے ڈال دیا جاتا۔ اس صورت حال پر بھی ظفر نے مارشل لا کے ایام کی یاد کے عنوان سے ایک نظم لکھی، چند شعر ملاحظہ کیجیے:

میں نے امرتسر میں اک دن اپنے خواجہ سے کہا پیٹ کے بل رینگ لیجے بندہ پرور آپ بھی
ایک تہ آماس کی تا فرِ بہی پر جائے چڑھ کھایے ہر روز صبح و شام ہنٹر آپ بھی
ناک سے کچھ دم زمیں پر کھینچتے رہیے لکیر پھیریے کونچی سفیدی کی بدن پر آپ بھی
بعد مغرب جایے مسجد کو اور اس جرم میں پیٹھ پر کھنچوایے چابک سے مسطر آپ بھی
پھر یہ کہیے مارشل لا حشر تک قائم رہے ورنہ ہوں گے منکرِ جرنیل ڈائر آپ بھی ۷۴

جنرل ڈائر کے خلاف ہونے والی تفتیش اور ہنٹر کمیٹی کی رپورٹ کے بعد جنرل ڈائر کو ظالم، جابر اور نسل پرست کے طور پر یاد کیا گیا۔ اس صورت حال کی عکاسی کرتے ہوئے مولانا ظفر علی خان نے پنجاب میں جنرل ڈائر کے مظالم کو ہلاکو سے بدتر مظالم قرار دیتے ہوئے کہا کہ:

ولایت میں کھلا جب نامۂ اعمال ڈائر کا طرازِ نامہ تھا نامِ گرامی اوڈوائر کا
ہلاکو کو عبث تاریخ میں بدنام کرتے ہیں بچارے نے نہتوں پر دیا کب حکم فائر کا ۷۵

جلیانوالہ باغ میں ۱۳/اپریل کو ہونے والے سانحے کے دن جلسے سے قبل ہی مسلم اور ہندو رہنماؤں کو پابند سلاسل کیا جانے لگا۔ باغ میں جو جلسہ منعقد ہو رہا تھا وہاں اسٹیج پر ڈاکٹر سیف الدین کچلو کی تصویر بھی رکھی تھی، کیوں کہ انھیں بھی شورش کے دوران حراست میں لے لیا گیا تھا۔ اس پس منظر میں بھی ظفر علی خان نے ایک نظم کہی۔ چند شعر ملاحظہ کیجیے:

وطن کا خونِ ناحق جب بہایا مارشل لا نے تو سرخی اس لہو کی بن گئی عنوانِ امرتسر
پکڑ کر لے گئے زنداں میں سیف الدین کچلو فرنگستان کی مٹھی میں آئی جانِ امرتسر [۷۶]
کو

ظفر علی خان نے غلام ہندوستان کی وفاداری اور انگریزوں کے ساتھ مفاہمانہ پالیسی کے نتیجے میں ملنے والے رولٹ ایکٹ کے خلاف بھی شدید ردعمل کا اظہار کیا۔ اپنی نظم ڈیڑھ سو سالہ وفاداری کا صلہ میں وہ ہندوستانی تاریخ کے اس پس منظر کو بیان کرتے ہوئے انگریزوں کے مکروفریب کا پردہ چاک کر رہے ہیں:

ہو کسی طرح مجھ سے خوش انگریز میری کوشش یہ انتہائی تھی
میں نے اپنے غرور کی گردن اس کی دہلیز پر جھکائی تھی
میں جو حاکم تھا خود بنا محکوم یہ بھی ایک شانِ کبریائی تھی
اس کے قدموں میں ڈال دی لاکر باپ دادا کی جو کمائی تھی
آج میں ہوں اور اس کی ٹھوکر ہے کہ اسی تک مری رسائی تھی
آج روتا ہوں میں کہ کیوں میں نے اپنی بنیاد آپ ڈھائی تھی
میں نے اپنے کیے کا پھل پایا اس سے کی میں نے، کیوں بھلائی تھی [۷۷]

ظفر علی خان نے سانحہ جلیانوالہ باغ کو عنوان انقلاب کے طور پر دیکھا اور اسے خوش آمدید کہا۔ وہ برطانوی استعمار کے خلاف سینہ سپر ہوئے اور برسوں تک زبان وقلم سے جہد آزادی کا علم بلند رکھا۔ بالخصوص جلیانوالہ سانحے کے بعد تو بدلے ہوئے حالات نے ان کے دل میں شعلۂ آزادی کی لو کو مزید تیز کر دی۔ اپنی ایک نظم شعلۂ فانونس ہند میں وہ شہیدوں کے خوف کو قصر آزادی کی آرائش کا سامان قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

زندہ باش اے انقلاب اے شعلۂ فانوسِ ہند گرمیاں جس کی فروغ منقلِ جاں ہوگئیں
بستیوں پر چھا رہی تھیں موت کی خاموشیاں تو نے صور اپنا جو پھونکا محشر ستاں ہوگئیں
جتنی بوندیں تھیں شہیدانِ وطن کے خون کی قصرِ آزادی کی آرائش کا ساماں ہوگئیں
مرحبا اے نو گرفتارانِ بے دادِ فرنگ جن کی زنجیریں خروش افزائے زنداں ہوگئیں [۷۸]

قانونِ وقت کے عنوان سے لکھی گئی نظم میں بھی انھوں نے اپنے وقت کے سب سے بڑے آمر کے جور وظلم کا پردہ چاک کیا ہے۔ اس زمانے کے کالے قانون اور عام لوگوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے سلوک کی بابت ظفر علی خان کا کہنا تھا کہ:

حق کا نہ کر اظہار کہ قانون یہی ہے فرماتی ہے سرکار کہ قانون یہی ہے

پھٹ جائے جو تلّی تو نہ ٹھوکر سے گلہ کر مر کر بھی نہ دم مار کہ قانون یہی ہے
کیڑوں کی طرح پیٹ کے بل رینگ کر ان کو شکریہ کے دے تار کہ قانون یہی ہے
تنکا نہ کوچل آگ میں جل، راکھ کا ہو ڈھیر رہ پھر بھی وفادار کہ قانون یہی ہے
جینے کی تمنا ہو گر اس عہد میں تجھ کو مرنے کو ہو تیار کہ قانون یہی ہے [۷۹]

اس زمانے میں اظہار رائے پر بھی قدغنیں لگائی جارہی تھیں۔ اوڈوائر کی ستم پیشہ ملوکیت نے ''زمیندار'' کو سینڈور کھلا رکھا تھا اور مولانا ظفر علی خان کو بھی کرم آباد میں نیم نظر بندی کا سامنا تھا۔ اس دور میں وہ سیاست میں بھی پوری طرح دل چسپی نہیں لے سکتے تھے۔ ادبی شوق پورا کرنے کے لیے روزنامہ ستارۂ صبح کی ادارت کی ذمہ داری نبھا رہے تھے [۸۰]۔ طنزیہ انداز سے وہ اس صورتحال پر بھی اوڈوائر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

کرم آباد کو سر مائیکل نے بنایا ہے مری علمی حوالات [۸۱]

اقبال کی شاعری میں بھی سامراج دشمنی کا جذبہ بدرجۂ اتم موجود ہے۔ یہ درست ہے کہ انھوں نے علاقائی مسائل سے ہٹ کر امت مسلمہ کے عالمی مسائل پر زیادہ توجہ دی، لیکن جلیانوالہ سانحے پر شہیدوں کو خراج عقیدت پیش کرنا انھوں نے ضروری سمجھا۔ اقبال کا یہ قطعہ اسی دردناک واقعہ کی یاد دلاتا ہے:

ہر زائر چمن سے یہ کہتی ہے خاکِ باغ غافل نہ رہ جہاں میں تو گردوں کی چال سے
سینچا گیا ہے خونِ شہیداں سے اس کا تخم تو آنسوؤں کا بخل نہ کر اس خیال سے [۸۲]

احمق پھپھوندی اور تلوک چند محروم نے بھی اس حادثے سے متاثر ہو کر موثر نظمیں کہیں۔ یہ نظمیں انگریزوں کے ظلم و استبداد کے خلاف ایک دردناک احتجاج کی حیثیت رکھتی ہیں [۸۳]۔ جلیانوالہ باغ کا حادثہ ہماری قومی تاریخ کا نیا موڑ ثابت ہو رہا تھا۔ اس سانحے کے بعد برطانوی استعمار کا سیاسی احتساب روز بروز بڑھتا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ تحریک آزادی بھی زور پکڑنے لگی۔ مصطفی خان مداح، احمق پھپھوندی نے واضح طور پر کہا کہ اگر استعماری قوتوں سے نجات کی کوشش تیز نہیں کی گئی تو جور و جبر کے حالات تبدیل نہیں ہوں گے۔ ایک نظم انگریزی ذہن کی تیزی میں وہ کہتے ہیں کہ:

یہ قتل و خوں یہ جنگ و جدل، یہ جور و ستم یہ بغض و حسد
باقی ہی رہیں گے ملک میں سب باقی ہے اگر راج انگریزی
ہر سو ہے بپا ہنگامۂ خوں ہر سمت ہے ڈھیر اک لاشوں کا
اوڈوائر و ڈائر کے دم سے قائم ہے نشانِ چنگیزی [۸۴]

حقوق کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز کو دبانے کی جو تدبیر ہو سکتی تھی وہ برطانوی استعمار نے کی۔ رولٹ ایکٹ سے لے کر مارشل لا کے کالے قوانین تک ہر تدبیر برطانوی حکمرانوں نے مسلط کی، ظلم کے ایسے ایسے طریقے وضع کیے گئے جسے سُن

کر انسانیت کانپ اٹھتی ہے۔اس حوالے سے احمق پھپھوندی نے اپنی ایک نظم حصولِ آزادی کی دقتیں میں کہا کہ:

ہند کا آزاد ہو جانا کوئی آساں نہیں — دیکھنا تم کو ابھی کیا کیا دکھایا جائے گا
دیکھنا تم سے ابھی کتنے کیے جائیں گے مکر — کس طرح تم کو ابھی چکر میں لایا جائے گا
انتہائی بربریت سے لیا جائے گا کام — بند کر کے تم کو جیلوں میں سڑایا جائے گا
دانہ پانی کر دیا جائے گا بالکل تم پہ بند — تم کو بھوکوں مار کر اُلّو بنایا جائے گا
جائیدادیں سب تمہاری ضبط کر لی جائیں گی — بال بچوں پر تمہارے ظلم ڈھایا جائے گا
باوجود اس کے بھی تم قائم رہے ضد پر اگر — بے تامل تم کو پھانسی پر چڑھایا جائے گا
اس طرح بھی تم اگر لائے نہ ابرو پر شکن — سر تمہارے پاؤں پر آخر جھکایا جائے گا[۸۵]

احمد پھپھوندی نے کانگریس کے پلیٹ فارم سے عملی سیاست میں بھی حصہ لیا وہ انگریزی راج سے سخت متنفر تھے۔اسی نظام کے خلاف مزاحمت کرتے کرتے ان کی عمر گزری۔ وہ صحیح معنوں میں مزاحمتی شاعر تھے۔ان کی کتاب نقش حکمت کا انداز بہت جارحانہ ہے[۸۶] میں ایک نظم بارِ الٰہا پھر اب ہند کو آزاد کر میں بلند آہنگی اپنے عروج کو چھوتی دکھائی دیتی ہے۔ملاحظہ کیجیے:

رنج و الم کب تلک — جور و ستم کب تلک
جنگ بہم کب تلک — روز کا غم کب تلک
ختم بس اب یا خدا ملک سے بے داد کر — بار الٰہا پھر اب ہند کو آزاد کر[۸۷]

وہ آزادی کے حصول کو سہل نہیں سمجھتے۔ان کے خیال میں ابھی بہت سی قربانیاں ہیں جسے دے کر ہی آزادی کا حصول ممکن ہوگا۔جلیانوالہ کے سانحے کو وہ اس جدوجہد کے آغاز کی قربانی سے تعبیر کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ تلقین بھی کرتے جاتے ہیں کہ:

نہیں سہل آزادیِ ہند یارو — ابھی تم کو میداں میں آنا پڑے گا
ابھی امتحاں تم کو دینے پڑیں گے — ابھی تم کو جیلوں میں جانا پڑے گا
کچھوگے (کذا) ابھی تختہ دار پر تم — ابھی تم کو پھانسی پہ جانا پڑے گا
پڑے گا ابھی کام تیغ و تبر سے — ابھی خاک و خوں میں نہانا پڑے گا
بہت سے کڑے مرحلے راہ میں ہیں — یہ طے کر کے منزل تک آنا پڑے گا[۸۸]

اس سے قبل اکبر الٰہ آبادی طنز و ظرافت کے لبادے میں سامراج کے خلاف شدید ردعمل کا اظہار کرتے رہے۔اکبر

کے سامنے متعدد مسائل تھے جنھیں زیادہ وضاحت سے بیان کرنے کی ضرورت تھی، مثلاً پردے کی موافقت، انگریزی لباس سے منافرت[۸۹]۔ نماز اور دیگر اخلاقی مسائل، لہٰذا فوری حادثے اور سانحے پر اکبر کی نظر کم ہی ٹھہری۔ البتہ جلیانوالہ کا سانحہ اس قدر شدید تھا کہ پورے ہندوستان میں اس واقعے کی بازگشت سنی گئی۔ جنرل ڈائر کو تلمیح اور علامت کے طور پر پیش کیا جانے لگا۔ سر ہنٹر نے کیوں کہ اس سانحے کی تفتیش کی اور اپنی رپورٹ میں ڈائر کو مجرم ٹھہرایا تھا لہٰذا اکبر نے بھی ایک رباعی میں ان دونوں کرداروں کی بابت کہا کہ:

پالیٹکسی جھگڑے چھوڑو ان باتوں سے اب منہ کو موڑو
کیسے ڈائر کیسے ہنٹر لاؤ ساغر لاؤ کنٹر [۹۰]

تلوک چند محروم بھی اقبال، چکبست اور سرور جہاں آبادی کی روایت کے امین تھے۔ انھوں نے نظم کو نئی جلا بخشی اور اردو شاعری کی سماجی اور سیاسی معنویت کو ایک نیا روپ بخشا۔ سترہ اٹھارہ برس کی عمر میں ہی لکھی گئی نظم تم کو معلوم ہے، کیوں روتی ہے بھارت ماتا؟ کے انداز سے پتا چلتا ہے کہ سامراجیت اور خودمختاری کے حوالے سے اس نوجوان شاعر کے کیا خیالات تھے۔ محروم نے اپنے پیش رو اقبال اور چکبست کے راستے پر چلتے ہوئے چراغ سے چراغ جلایا۔ انھوں نے ملکی اور قومی عنصر پر اس وقت توجہ دی جب اردو کے بعض شاعر آزادی کی تحریک میں شریک ہونے سے کترا رہے تھے۔ سرکاری ملازمت کی وجہ سے ان کا کلام ابتدا میں فرضی ناموں سے مخزن اور زمانہ میں شائع ہوتا رہا۔ ان کے مجموعے صحرا نشین کی چند نظمیں اس دور کی یادگار ہیں۔ جلیانوالہ باغ کا سانحہ ہمارے سفر آزادی کا بڑا ہی دردناک حادثہ تھا۔ محروم پر بھی اس سانحے کا گہرا اثر ہوا اور اس سانحے سے متاثر ہو کر انھوں نے بہت سی نظمیں کہیں[۹۱]۔ شکوۂ حیات بھی اس موضوع پر کہی گئی عمدہ نظم ہے۔ اس نظم میں جنرل ڈائر کے جابرانہ رویوں کی عکاسی کرتے ہوئے ان کا کہنا تھا کہ:

حکم تیرا ہے کہ فریاد نہ ہونے پائے کوئی بلبل کہیں آزاد نہ ہونے پائے
دہر میں شہرتِ بے داد نہ ہونے پائے اور مشہور یہ روداد نہ ہونے پائے
نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے گھٹ کے مر جاؤں یہ عرضی مرے صیاد کی ہے [۹۲]

باغ میں گھات لگا کر جس طرح لوگوں کو چُن چُن کر قتل کیا گیا اس سے ڈائر کے ارادوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ امن و امان برقرار رکھنے نہیں بلکہ سامراجی استعمار کا رعب قائم کرنے کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار بیٹھا تھا۔ وہ ایک خون خوار شکاری کی طرح جس انداز میں نہتے لوگوں پر ٹوٹا اس منظر کو دکھاتے ہوئے شاعر کا کہنا ہے:

محاکمیں میں مگر اے وائے مقدر صیاد دشمنِ مہر جفا پیشہ ستم گر صیاد
آ گیا دامِ بلا دوش پہ لے کر صیاد ہو گیا ہر چمنِ فتنہ و محشر صیاد

نغمۂ بلبل شیدا سے فقط لاگ نہ تھی کون سا برگ وہ تھا جس کے لیے آگ نہ تھی [۹۳]

اس سانحے کی یاد شاعر کو ہمیشہ بے چین رکھتی۔ وہ اس کے شہدا کو کبھی نہیں بھول پاتے، جس طرح سے اس گلشن کو اجاڑا گیا تھا اس نے ہر آنکھ اشک بار کر دی تھی اور جس نے ان واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، ساری عمر اس بربریت کو نہ بھول پایا۔ شاعر اس بابت کہتے ہیں کہ:

موسمِ گل میں جو رہ رہ کے چمن یاد آئے ہم نوا! لب پہ نہ کیوں شکوۂ صیاد آئے
پھر سوئے کنجِ نفس نکہتِ برباد آئے آئے پھر بوئے غبارِ دلِ ناشاد آئے
آتشِ حسرت گلگشت سوا ہوتی ہے اجڑے گلشن کی بھی کیا خوب ہوا ہوتی ہے [۹۴]

محروم نے اس واقعے کے بعد انگریزوں سے نفرت کا اظہار مختلف نظموں میں کیا ہے۔ اکثر نظمیں زہر میں بجھی ہوئی ہیں اور اس ظلم و استبداد کے خلاف احتجاجی رویہ لیے ہوئے ہیں۔ وہ نادر شاہ کے مظالم کو بھی جنرل ڈائر کے مظالم کے سامنے ہیچ سمجھتے ہیں۔ ڈائر اور نادر میں اپنے جذبات کا اظہار کچھ اس طرح کیا ہے:

نادر کا قتلِ عام ہے مشہور آج تک سفاک اس کا نام ہے مشہور آج تک
لیکن ہے جورِ نادرِ سفاک سے سوا ڈائر کے قتلِ عام کا پر ہول ماجرا
نے کیا تھا قتل رعایائے غیر کو جو ہو چکی تھی جنگ میں خود اس کے روبرو
ڈائر نے قتلِ عام کیا اس مقام پر مرتے جہاں ہیں لوگ اطاعت کے نام پر [۹۵]

نظم میں ڈائر کے مکروہ کردار اور ظالمانہ رویے کو بیان کرتے ہوئے شاعر اس سارے خون خرابے کو بے جواز قرار دیتے ہیں۔ محروم کا کہنا ہے کہ بغیر کسی کارروائی و تشدد کے اس مجمعے کو پُرامن طریقے سے بھی منتشر کیا جا سکتا تھا لیکن ڈائر نے اپنے طرزِ عمل سے صرف جلیانوالہ باغ کو لہولہان نہیں کیا بلکہ پورے برطانیہ کو بھی خون سے رنگ دیا ہے۔ اشعار ملاحظہ کیجیے:

تھی درمیانِ باغ ہزاروں کی بھیڑ بھاڑ ناگاہ اس طرف سے چلی گولیوں کی باڑ
پھر وہ ہوا کہ جس سے لرزتی ہے تن میں جاں پتھر کا دل بناؤں، تو کچھ ہو سکے بیاں
ڈائر کے قتلِ عام نے خونِ وفا کیا لوہو سے لال دامنِ برطانیہ کیا [۹۶]

وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ شہیدوں کا لہو کبھی رائیگاں نہیں جاتا۔ ایک نہ ایک دن ظالم کو احساس ہو گا اور وہ اپنے کیے پر پچھتائے گا۔ ڈائر کی زندگی کے آخری ایام تلوک چند محروم کے خیالات پر مہرِ تصدیق ثبت کرنے کے لیے کافی ہیں:

دیکھ لکھ لینا خونِ ناحق رنگ اک دن لائے گا خود غرض ظالم کیے پر اپنے خود پچھتائے گا [۹۷]

اور واقعی محروم کی بات درست ثابت ہوئی اور جنرل ڈائر سے تمام اعزازات واپس لے کر فوج کی ملازمت سے

برخاست کر دیا گیا۔

جوش ملیح آبادی بھی اپنی نظم کمپنی کے فرزندوں میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے کردار پر کڑی تنقید کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ کمپنی کے مظالم کی فہرست بہت طویل ہے۔ جوش ان مظالم کو فرداً فرداً گنواتے ہوئے سانحہ جلیانوالہ باغ کو ایسا زخم قرار دیتے ہیں جس سے پیچھا چھڑانا خود برطانوی استعمار کے لیے بھی ممکن نہیں ہوگا۔ اسی لیے وہ کمپنی کے فرزندوں سے سوال کرتے ہیں کہ:

ذہن میں ہوگا یہ تازہ ہندیوں کا داغ بھی؟ یاد تو ہوگا تمہیں جلیان والا باغ بھی؟
پوچھ لو اس سے تمہارا نام کیوں تابندہ ہے ''ڈائر'' گرگِ دہن آلود اب بھی زندہ ہے [۹۸]

ٹیکا رام سخن نے بھی ان مظالم کی منظر کشی ایشور پراتھنا میں کی ہے۔ اس نظم میں مجموعی طور پر پنجاب کے مظالم کا نقشہ کھینچتے ہوئے ظلم و جبر کے نتیجے میں پیدا ہونے والی مایوسی اور پھر عزم و حوصلے کی تصویر کھینچی گئی ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

ظلم ہے جور و وفا ہے، ہر طرف بے داد ہے گردشِ دستِ ستم گر ہے جہاں برباد ہے
دیکھیے جس کو وہی مغموم ہے ناشاد ہے بچہ بچہ ہند کا اب مائل فریاد ہے
ظلم کیا کیا ہو رہے ہیں آج معصوموں پہ دیکھ ٹوٹتا کیا کیا ستم ہے آج مظلوموں پہ دیکھ
اک مصیبت ہو تو سہہ بھی لیں، یہاں بھرمار ہے بے کسی و یاس و حسرت در پئے آزار ہے
گردنوں پہ تیغ ہے، خنجر ہے اور تلوار ہے اور بندوقوں کی دل پر گولیوں کی مار ہے
پھر بھی اے بھگوان ہم سینہ سپر ہیں دیکھ لے صرف تیرے نام پر باندھے کمر ہیں دیکھ لے [۹۹]

جلیانوالہ باغ کے عنوان سے ضبط شدہ نظمیں میں سرجو کی ایک نظم بھی شائع ہوئی۔ اس نظم میں بھی شاعر نے بموں اور بندوقوں کے آزادانہ استعمال پر طنز کرتے ہوئے اس واقعے کو آزادی کا محرک قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ ڈائر نے جو مکروہ عمل کیا ہے، ساری دنیا اس کے جبر کو نہیں بھول پائے گی:

بے گناہوں پر بموں کی بے خطر بوچھاڑ کی دے رہے ہیں دھمکیاں بندوق اور تلوار کی
باغ جلیاں میں نہتوں پر چلائیں گولیاں پیٹ کے بل بھی رینگایا ظلم کی حد پار کی
ہم غریبوں پر کیے جس نے ستم بے انتہا یاد بھولے گی نہیں اس ڈائرِ بدکار کی
یا تو ہم ہی مر مٹیں گے یا تو لے لیں گے سوراج ہوتی ہے اس بار حجت ختم اب ہر بار کی
جیل میں بھیجا، ہمارے لیڈروں کو بے قصور لارڈ ریڈنگ تم نے اچھی نیائے کی بھرمار کی
خونِ مظلوماں کی سرجو اب تو گہری دھار ہے کچھ دنوں میں ڈوبتی ہے آبرو اغیار کی [۱۰۰]

مجھے گولیوں سے اڑا دیا میں بھی خلیق نے پنجاب میں لگنے والے مارشل لا اور اس کالے قانون کے تحت عوام کو

دی جانے والی طرح طرح کی سزاؤں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کیا۔

وہ شہیدِ تیغِ جفا ہوں میں، جسے آسماں نے مٹا دیا — مرے منھ سے نکلی نہ آہ تک، مجھے گولیوں سے اڑا دیا
وہ بہائیں خون کی ندیاں، کہ پکارا عرش بھی الاماں — وہ پلٹ پلٹ کے ستم کیے، کہ ہلاکو خاں کو بھلا دیا
کوئی کشتہ کشتے پہ بے کفن، کوئی لوٹ پوٹ تھا خستہ تن — جو کسی میں باقی رمق بھی تھی تو پلٹ کے چرکا لگا دیا
کریں کیا کسی سے شکایتیں بیاں کس سے کرتے حکایتیں — کی جو ہندوالوں نے چوں چرا انھیں مارشل لا سنا دیا
وہی لوگ ناز کے تھے پلے جو گلی میں پیٹ کے بل چلے — پڑی مار کوڑوں کی اس قدر کہ تمام جسم سُجا دیا
وہ یتیم کرتے ہیں زادیاں، ہیں نصیب جن کو بدھائیاں — وہ گھروں میں روتی ہیں بیویاں جنھیں ہائے بیوہ بنا دیا
یہاں سب کو جان کا بیم ہے وہاں مانیٹگو سکیم ہے — نہ تو صبر ہے نہ قرار ہے، یہ بتاؤ تو ہمیں کیا دیا
انھیں یاد رکھنا خلیق تم کہیں دل سے کرنا نہ ان کو گم — یہ شہیدِ قوم کے لال ہیں انھیں حق نے اتنا بڑھا دیا[۱۰۱]

مارشل لا کے پس منظر میں کہی گئی نظم شہاب ثاقب بھی اس حوالے سے اہمیت کی حامل ہے۔ اس نظم میں شاعر کنھیا لال ثاقب ظلم و بربریت کے نت نئے طریقوں سے نجات کے لیے ہندوستان کی آزادی کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ سوالیہ انداز سے وہ اپنے رب سے سوال کرتے ہیں کہ:

الٰہی ہند کب آزاد ہوگا — دل مضطر ہمارا شاد ہوگا
نہ ہو گر مارشل لا سے تسلی — تو اک حربہ نیا ایجاد ہوگا
جلا دے سوزِ دل سے جسم خالی — ترا اجڑا جہاں آباد ہوگا[۱۰۲]

روزنامہ اکالی امرتسر میں شائع ہونے والی نظم کفن ہوگا ہماری لاش پر قاتل کے دامن کا میں شوخ کیرانوی نے عزم و حوصلے کو بڑھاتے ہوئے دشمن کو خوب للکارا ہے۔ ان کے خیال میں جو ظلم پنجاب کی سرزمیں پر توڑا گیا، استعماری طاقتیں اس کا بوجھ برداشت نہیں کر پائیں گی۔ وہ کہتے ہیں کہ:

پیا ہے خالصہ نے گھونٹ ایسا آبِ آہن کا — کہ قاتل کی چھری سے اٹھ سکے گا بوجھ گردن کا
ہوا ہے گرم میداں تیغ برّاں اپنی گردن کا — کفن ہوگا ہماری لاش پر قاتل کے دامن کا
ڈراتا ہے کیسے بندوق سے نادان سودائی — ہمارا مرغِ جاں پروردہ ہے گولی کے خرمن کا
نشانہ گولیوں کا تو بنا دے شوق سے ہم کو — ملے گا تجھ کو بھی تنکا نہ اک تیرے نشیمن کا
عداوت دَیر سے ہے اور کینہ تجھ کو کعبے سے — ہوا ہے ناک میں دم تجھ سے ہر شیخ و برہمن کا[۱۰۳]

پنجاب کا ہتیا کار کے عنوان سے بھی ایک نظم ضبط شدہ نظمیں میں شامل ہے۔ اس کے شاعر کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ موضوع کے لحاظ سے اس نظم میں جنرل ڈائر کے مظالم اور پنجاب کے حالات کا نقشہ کھینچتے ہوئے شاعر کا کہنا

ہے کہ:

پنجاب میں ہزاروں بچوں کو بھون ڈالا — شیطان کی ہے خصلت یا تیر ہے فضا کا
وا حسرتا وہ صدہا گھر بار کا اجڑنا — وہ نقشۂ اجل کا آنکھوں کے آگے پھرنا
شانِ جلال باری قہر خدا کا نقشہ — بھائی کا اپنے چھوٹے بھائی سے یوں بچھڑنا
ڈائر کا ہم نہتوں پر آکے فیر کرنا — وہ جانِ ناتواں کا کُشتی فضا سے لڑنا
تھا فتنۂ قیامت اس وقت جو ستم کا — پھر اپنے اپنے جُرموں سے یک بیک مکرنا
پیٹوں کے بل سے ہم کو رستے میں یوں چلانا — ہنٹر کی چوٹ سے پھر یوں جسم کا ادھڑنا [۱۰۴]

ایک اور نامعلوم شاعر کی غزل میں جلیانوالہ باغ کے اندر جو کچھ ہوا اس کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ چند شعر ملاحظہ کیجیے:

وہ قتیل تیغ ستم ہوں میں کہ فلک نے مجھ کو مٹا دیا — نہ نکلنے پائی تھی اُف تلک کہ گلا ہی آکے دبا دیا
پڑی لاش لاش پہ ننگے تن نہ لحد ملی نہ ملا کفن — وہ جو جاں نثار تھے ہند کے تہہ خاک یوں ہی دبا دیا
جو جہاں گرا تھا پڑا رہا، جو جہاں پڑا تھا نہ اٹھ سکا — جو ذرا بھی سنبھلا تھا بس وہیں، اسے گولیوں سے اُڑا دیا [۱۰۵]

جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ اس تمام بربریت کے پیچھے رولٹ ایکٹ کی کارفرمائی دکھائی دیتی ہے۔ ہندوستان کے لوگوں نے عالمی جنگ میں جس طرح برطانوی استعمار کے پیچھے گردنیں کٹائیں اس کے بعد اس طرح کا کالا قانون سمجھ سے باہر تھا، اسی لیے لوگ رولٹ ایکٹ کے خلاف احتجاج بھی بلند کر رہے تھے۔ اس پس منظر میں ایک غیر معروف شاعر ماہر کا یہ شعر دیکھیے:

آیا سائمن کمیشن ایکٹ رولٹ بن گیا — تحفہ تم کو یہ ملا گردن کٹا دینے کے بعد [۱۰۶]

بلراج کومل نے بھی گریہ سگاں میں چمن کے اجڑنے کے منظر کو افسردہ انداز سے بیان کیا ہے۔ شہر کی اداس فضاؤں کو دیکھ کر وہ یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ:

یہ شہر جلا
اس شہر میں روشن ہنستے بستے گھر تھے کئی
سب راکھ ہوئے
اور ان کے مکیں
کچھ قتل ہوئے
کچھ جان بچا کر بھاگ گئے [۱۰۷]

خوف اور وحشت کی اس فضا کو قلم بند کرتے ہوئے بلراج کا کہنا تھا کہ شہر کی ویرانی اور اداسی دیکھ کر کتے بھی بین کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ جلیانوالہ کے افسوس ناک سانحے کے بعد شہر میں موت کا سناٹا طاری ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

کتے تو آخر کتے ہیں
دن بھر کچرے کے ڈھیروں پر
وہ مارے مارے پھرتے ہیں
جب رات اترنے لگتی ہے
آنے والے دشمن موسم کی شدت سے
سب مل کر رونے لگتے ہیں[۱۰۸]

سیاسی اور احتجاجی تحریک کے پس منظر میں لکھی گئی ان نظموں کے مطالعے سے اچھی طرح اندازہ ہوتا ہے کہ اردو شعرا نے سانحہ جلیانوالہ کو کس طرح اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ اس سانحے میں رونما ہونے والے ہر واقعے اور نفرت انگیز پر اپنے عمل کے ردعمل کا اظہار کیا۔ خصوصاً لوگوں کو رینگ رینگ کر چلانے، کوڑے برسانے اور مارشل لا کے کالے قانون کی آڑ لے کر عام شہریوں کو طرح طرح کی اذیتیں دینے کے مناظر ان نظموں میں واضح دکھائی دیتے ہیں۔ یہ نظمیں ایسی دستاویز ہیں جو اس سانحے کو کبھی تاریخ کے اوراق میں گم نہیں ہونے دیں گی۔ یہ سانحہ دراصل اس امپیریلزم کا بھی اظہار ہے جو اس زمانے کی برطانوی استعمار کا خاصا رہا ہے۔ اس امپیریلزم کی سوچ کے تحت رعب و داب کا یہ دیوتا ایک صدی قبل ۳۲ کروڑ ہندوستانیوں کو کھا جانے پر تُلا بیٹھا تھا۔ اسے یہ تو گوارا تھا کہ منٹوں میں ہزاروں لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارے یا انھیں مجروح کر کے معذور اور اپاہج بنا دے لیکن یہ گوارا نہیں کہ کوئی ہندوستانی اس کے اختیارات کو چیلنج کرے۔ یہ للکار اسے گراں گزرتی تھی۔ ایک ہندوستانی اس کا مضحکہ اُڑائے یہ اسے کسی صورت منظور نہ تھا۔ بقول مولانا محمد علی جوہر:

> ڈائر سب سے سچا امپیریلسٹ تھا، اس لیے اس نے اپنے ان امپیریل خیالات کو مطلق نہیں چھپایا اور مرتے دم تک انھی پر قائم رہا۔ ہنٹر کمیشن نے بہت چاہا کہ ڈائر کوئی عذرِ گناہ پیش کر دے، تاکہ وہ اس کی بریت کا اعلان کر دے۔ لیکن ڈائر کو ان انگریزوں پر تعجب ہوتا تھا جو اس سے پوچھتے تھے کہ بلا کسی انتباہ کے اس نے گولی کیوں چلا دی اور پیٹ کے بل رینگنے کا کیوں حکم دیا، وہ خود ان سے پوچھ سکتا تھا کیا تم امپیریلسٹ نہیں ہو۔۔۔ اور کیا امپیریل ازم جلیانوالہ باغ کے قتل عام اور لوگوں کے پیٹ کے بل رینگنے کے سوا کسی اور شے سے مطمئن ہو سکتا ہے؟[۱۰۹]

اس امپیریل ازم نے ڈائر کو مجبور کیا کہ وہ جلیانوالہ میں موجود ہزاروں لوگوں کے ساتھ وحشت ناک سلوک کرے۔ انھیں ایسا سبق سکھائے کہ آئندہ کوئی غلام قوم ان کے سامنے سر اٹھانے کی جرأت تک نہ کر سکے۔ مگر افسوس وقت کا دھارا بہت تیزی سے بدل رہا تھا۔ جس سوچ نے ڈائر سے یہ عمل کروایا وہ اُلٹا برطانوی استعمار کے خلاف گیا، اس سانحے کے رونما ہونے کے بعد برصغیر کے ہر حصے سے انگریزوں کے خلاف آزادی کی جو تحریک شروع ہوئی، اس نے محض ۱۸ برسوں کے اندر برطانیہ بہادر کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ گویا یہ سانحہ ہی دراصل آزادیِ ہند کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ اسی لیے آزادی کی

اس جدوجہد کے دوران نوجوانوں سے خطاب میں شورش کاشمیری نے واضح طور پر استعماری قوتوں کی شکست کی نوید سناتے ہوئے ان کی تباہی و بربادی کی یقین دہانی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ:

اے ملتِ لشکر کے رضا کار جوانو — آزادیٔ کامل کے طلب گار جوانو
یہ ملک ہوا جس کے تشدد کا نشانہ — اب اس کی تباہی کا بھی آیا ہے زمانہ
اب جلیانوالہ کے شہیدوں کو پکارو — سرحد کے بھی پُرجوش پٹھانوں کو پکارو
اجڑے ہوئے باغوں کی بہاروں کو پکارو — افلاس شہادت کے ستاروں کو پکارو
مقتل سے اٹھا لاؤ شہیدوں کے سَروں کو — آواز دو آواز تبہ حال گھروں کو [۱۱۰]

حوالہ جات:

۱۔ عطا،اشرف،۱۹۶۶ء،کچھ شکستہ داستانیں،سندھ ساگر اکادمی،لاہور،ص ۴۰
۲۔ ذوالفقار، ڈاکٹر غلام حسین، ۱۹۹۶ء،جلیانوالہ باغ کا قتل عام اور مظالم پنجاب" سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص:۵۔۷
۳۔ Rupert, Fruencalus. Massacre At Amritsar", London. 1946, P.49.
۴۔ ذوالفقار،ڈاکٹر غلام حسین،محولہ بالا،ص ۸
۵۔ ندوی،ابوالہاشم،سن ندارد،جلیانوالہ باغ:تاریخ آزادی پاک و ہند کا ایک خونیں باب، سنگ میل پبلی کشنز،لاہور،ص ۱۳
۶۔ ذوالفقار،ڈاکٹر غلام حسین،ص ۱۹
۷۔ قریشی، ڈاکٹر اشتیاق حسین، ۱۹۹۹ء،برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ،مترجم: ہلال احمد زبیری،شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ،کراچی یونی ورسٹی،کراچی،ص ۳۵۴۔۴۵۵
۸۔ ذوالفقار،ڈاکٹر غلام حسین،ص ۲۰
۹۔ احمد،سید نور احمد،۱۹۶۵ء،مارشل لا سے مارشل لا تک،اپریل ۱۹۱۹ء تا اکتوبر ۱۹۵۸ء، دین محمدی پریس،لاہور،ص ۱۳
۱۰۔ قریشی،ڈاکٹر اشتیاق حسین،ص ۳۵۵
۱۱۔ ذوالفقار،ڈاکٹر غلام حسین،ص ۲۱۔۲۲
۱۲۔ سیڈیشن کمیٹی رپورٹ،ص ۱۴۵؛ بہ حوالہ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار،محولہ بالا،ص ۲۲
۱۳۔ ذوالفقار،ڈاکٹر غلام حسین،محولہ بالا،ص:۲۲۔۲۶۔
۱۴۔ سیڈیشن کمیٹی رپورٹ،ص ۲۱۱،بحوالہ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار،محولہ بالا،ص ۲۶
۱۵۔ ذوالفقار،ڈاکٹر غلام حسین،محولہ بالا،ص ۲۷۔۲۸
۱۶۔ احمد،سید نور،''مارشل لا سے مارشل لا تک''،محولہ بالا،ص ۱۳۔۱۴
۱۷۔ قریشی،ڈاکٹر اشتیاق حسین،ص ۳۵۵
۱۸۔ احمد،سید نور،ص ۱۴۔۱۶

۱۹۔ رامیا، سیتا، جلد اول، ص ۱۶۰؛ بہ حوالہ، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، محولہ بالا، ص: ۳۵۶۔
۲۰۔ ذوالفقار، ڈاکٹر غلام حسین، محولہ بالا، ص ۱۲۸
۲۱۔ ایضاً، ص ۱۲۸۔۱۴۰
۲۲۔ ذوالفقار، ڈاکٹر غلام حسین، محولہ بالا، ص ۱۴۰
۲۳۔ ذوالفقار، ڈاکٹر غلام حسین، محولہ بالا، ص ۱۴۱
۲۴۔ ایضاً، ص ۱۴۱
۲۵۔ نامعلوم، جلیانوالہ باغ، http://www.rekhta.org/ebook/jalianwala-bagh.?ebooklang-org، ص ۴۰
۲۶۔ نقوی، ذکی، http://www.laaffain.com jalianwala-bagh جولائی ۱۹۱۴ء۔
۲۷۔ نامعلوم، جلیانوالہ باغ، http://www.rekhta.org/ebook/jalianwala-bagh.?ebooklang-org، ص ۴۰۔۲۱
۲۸۔ ایضاً، ص ۲۰
۲۹۔ ذوالفقار، ڈاکٹر غلام حسین، محولہ بالا، ص ۱۴۲
۳۰۔ جوہر، مولانا محمد علی، تقریر ۳۱ دسمبر ۱۹۱۹ء، 'جلوس کانگریس منعقدہ کانگریس'، محولہ بالا، اوراق گم گشتہ، مرتبہ: سید رئیس احمد جعفری، محمد علی اکیڈمی، لاہور، ۱۹۶۸ء، ص: ۴۸۔
۳۱۔ عطا، اشرف، محولہ بالا، ص: ۴۱۔
۳۲۔ نامعلوم، محولہ بالا، ص: ۴۱۔
۳۳۔ فرید آبادی، سید ہاشمی، ۱۹۸۸ء، تاریخ مسلمانانِ پاکستان و بھارت، جلد دوم، انجمن ترقی اردو، پاکستان، کراچی، ص ۵۴۶۔۵۴۷
۳۴۔ ایضاً، ص ۵۴۶
۳۵۔ قریشی، اشتیاق حسین، محولہ بالا، ص ۳۵۶
۳۶۔ قریشی، عبدالرزاق، ۱۹۵۷ء، مقدمہ، مشمولہ: 'نوائے آزادی'، ادبی پبلشرز، بمبئی، ص ۲۱
۳۷۔ بدایونی، عبدالماجد، رولٹ بل، بحوالہ 'نوائے آزادی'، محولہ بالا، ص ۱۴۸
۳۸۔ ندوی، ابوالہاشم، محولہ بالا، ص ۴۲
۳۹۔ ایضاً، ص ۱۹
۴۰۔ موجمدار، ایس۔کے، ۱۹۹۶ء، جناح اور گاندھی، مترجم: ثوبیہ طاہر، سارنگ پبلی کیشنز، لاہور، ص ۸۳
۴۱۔ چند، تارا، تحریک آزادی ہند، جلد سوم، مترجم: عدیل عباسی، ترقی اردو بیورو، دہلی، ص ۶۹۳
۴۲۔ ذوالفقار، ڈاکٹر غلام حسین، محولہ بالا، ص ۱۵۴۔
۴۳۔ نامعلوم، محولہ بالا، ص ۲۱
۴۴۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، محولہ بالا، ص ۱۵۴
۴۵۔ نقوی، ذکی، محولہ بالا۔
۴۶۔ ذوالفقار، ڈاکٹر غلام حسین، محولہ بالا، ص ۱۵۸۔۱۶۰
۴۷۔ بحوالہ ذوالفقار، ڈاکٹر غلام حسین، محولہ بالا، ص ۱۶۴

۴۸۔ ندوی، ابوالہاشم، محولہ بالا، ص ۲۴۔ ۴۳
۴۹۔ ذوالفقار، ڈاکٹر غلام حسین، محولہ بالا، ص ۱۱۷۔ ۱۹۹
۵۰۔ نقوی، ذکی، محولہ بالا۔
۵۱۔ بحوالہ ڈاکٹر غلام حسین، ذوالفقار، محولہ بالا، ص ۹، ۱۰۔ ۲۰۱
۵۲۔ نقوی، ذکی، محولہ بالا۔
۵۳۔ بحوالہ، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، محولہ بالا، ص ۳۸۵۔
۵۴۔ منٹو، سعادت حسن، ۱۹۱۹ء کی ایک بات، http://www.rekhta.org./?/
۵۵۔ ذوالفقار، ڈاکٹر غلام حسین، محولہ بالا، ص ۲۸۴۔ ۲۸۶
۵۶۔ عطا اشرف، محولہ بالا، ص ۴۲۔ ۴۳
۵۷۔ جوہر، مولانا محمد علی، اوراق گمشدہ، محولہ بالا، ص ۴۸
۵۸۔ حسین، سید عابد، ۲۰۱۲ء، ہندوستانی مسلمان آئینہ ایام میں، مکتبہ، جامعہ، دہلی، ص ۱۲۳
۵۹۔ جوہر، مولانا محمد علی، امپیریلزم کی روح، مشمولہ: 'نوائے آزادی' محولہ بالا، ص ۱۵۵
۶۰۔ نگم، نرائن، ۱۹۹۴ء، رفتار زمانہ، مشمولہ: 'تحریک آزادی کے چالیس سال'، حصہ اول، خدا بخش اورنٹیل پبلک لائبریری، پٹنہ، ص ۲۳۲
۶۱۔ ایضاً، ص ۲۴۶
۶۲۔ مشمولہ: نوائے آزادی، محولہ بالا، ص: ۱۵۶۔ ۱۵۷
۶۳۔ ذوالفقار، ڈاکٹر غلام حسین، محولہ بالا، ص ۲۱۵۔ ۲۴۹
۶۴۔ نامعلوم، محولہ بالا، ص ۲۷
۶۵۔ شاہ، سلیم اللہ، جولائی دسمبر ۱۹۱۳ء، ضبط شدہ نظمیں، ایک جائزہ، مشمولہ: 'معیار'، اسلام آباد، ص ۱۳۱
۶۶۔ قریشی، عبدالرزاق، محولہ بالا، ص: ۲۲۔
۶۷۔ فنکارانہ تشبیہات، http://www.rekhta.org./?/
۶۸۔ نارنگ، گوپی چند، ۲۰۰۳ء، ہندوستان تحریک آزادی اور اردو شاعری، قومی کونسل برائے فروغ اردو، دہلی، ص ۳۴۳۔ ۳۴۵
۶۹۔ موہانی، حسرت، ۲۰۰۷ء، مشمولہ: نغمات حریت، مرتبہ: خلیق انجم، قومی کونسل برائے فروغ اردو، دہلی، ص ۴۴۔ ۴۵
۷۰۔ موہانی، حسرت، ۱۹۸۲ء، مشمولہ: اردو میں قومی شاعری کے سو سال، مرتبہ: علی جواد زیدی، اتر پردیش اکیڈمی، لکھنؤ، ص ۲۰۲
۷۱۔ ایضاً، ص ۲۰۳
۷۲۔ ایضاً، ص ۲۰۱
۷۳۔ خان، مولانا ظفر علی، ۲۰۰۷ء، کلیات مولانا ظفر علی خان، الفیصل پبلی شرز، لاہور، ص ۱۵۶
۷۴۔ ایضاً، ص ۴۹۰۔ ۴۹۱
۷۵۔ ایضاً، ص ۴۹۲
۷۶۔ ایضاً، ص ۱۴۰
۷۷۔ ایضاً، ص ۴۹۵
۷۸۔ ایضاً، ص ۳۱۵

۷۹۔ خان، ظفر علی خان، قانون وقت، مشمولہ: 'نوائے آزادی' محولہ بالا، ص ۲۲۲
۸۰۔ ذوالفقار، ڈاکٹر غلام حسین، ۱۹۹۳ء، مولانا ظفر علی خان، حیات و خدمات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص ۱۴۲۔ ۱۴۳
۸۱۔ خان، مولانا ظفر علی، کلیات مولانا ظفر علی خان محولہ بالا، ص ۴۵۰
۸۲۔ اقبال، علامہ، بحوالہ، ہندوستان کی تحریک آزادی اور اردو شاعری محولہ بالا، ص ۳۵۴
۸۳۔ نارنگ، گوپی چند، ہندوستان کی تحریک آزادی اور اردو شاعری، محولہ بالا، ص: ۳۵۴
۸۴۔ پھپھوندی، احمق، مشمولہ: ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' محولہ بالا، ص: ۲۱۳۔
۸۵۔ ایضاً، ص: ۲۵۵۔
۸۶۔ کلیم، طارق، ۲۰۱۸، اردو کی ظریفانہ شاعری میں مزاحمتی عناصر، انجمن ترقی اردو، پاکستان، کراچی، ص ۸۱
۸۷۔ پھپھوندی، احمق، ۱۹۴۴ء، مشمولہ: نقش حکمت، مکتبہ برہان، دہلی، ص ۱۰۱
۸۸۔ _____، ۱۹۷۵ء، کڑے مرحلے، مشمولہ: 'ضبط شدہ نظمیں' مجلس جشنِ جواد علی زیدی، دہلی ص ۲۰۸
۸۹۔ حسین، ڈاکٹر سید اعجاز، ۱۹۵۰ء، اکبر فنکار کی حیثیت سے، مشمولہ: 'علی گڑھ میگزین' جلد ۲۴، شمارہ: ۳، ص ۱۲
۹۰۔ الٰہ آبادی، اکبر، ۱۹۸۸ء، کلیات اکبر، مرتبہ: نارنگ ساقی، میڈیا انٹرنیشنل، دہلی، ص ۶۵۸
۹۱۔ نارنگ، گوپی چند، ہندوستان کی تحریک آزادی اور اردو شاعری محولہ بالا، ص ۵۰۹۔ ۵۱۱
۹۲۔ محروم، تلوک چند، شکوہ صیاد، مشمولہ: 'اردو میں قومی شاعری کے سو سال' محولہ بالا، ص ۱۹۵
۹۳۔ ایضاً، ص ۱۹۴
۹۴۔ ایضاً
۹۵۔ محروم، تلوک چند، ڈائر اور نادر، مشمولہ: 'ہندوستان کی تحریک آزادی اور اردو شاعری' محولہ بالا، ص ۵۱۱
۹۶۔ ایضاً
۹۷۔ محروم، تلوک چند، پھول برساؤ شہیدانِ وطن کی خاک پر، مشمولہ: 'اردو میں قومی شاعری کے سو سال' محولہ بالا، ص ۲۳
۹۸۔ ملیح آبادی، جوش، ۱۹۵۷ء، مشمولہ: نشید حریت، مرتبہ: شان الحق حقی، فیروز سنز، کراچی، ص ۲۳۵
۹۹۔ سخن، ٹیکا رام، ایشور پرارتھنا، مشمولہ: 'ضبط شدہ نظمیں' محولہ بالا، ص ۱۱۲۔ ۱۱۳
۱۰۰۔ سرجو، جلیانوالہ باغ، مشمولہ: 'ضبط شدہ نظمیں' محولہ بالا، ص ۱۳۲۔ ۱۳۳
۱۰۱۔ خلیق، مجھے گولیوں سے اڑا دیا، مشمولہ: 'ضبط شدہ نظمیں' محولہ بالا، ص: ۱۴۵۔ ۱۴۶۔
۱۰۲۔ ثاقب، کنہیا لال، مشمولہ: ضبط شدہ نظمیں محولہ بالا، ص: ۱۴۹۔
۱۰۳۔ کیرانوی، شوخ، مشمولہ: ضبط شدہ نظمیں محولہ بالا، ص: ۱۸۳۔
۱۰۴۔ نامعلوم، مشمولہ: ضبط شدہ نظمیں محولہ بالا، ص: ۱۶۲۔ ۱۶۳۔
۱۰۵۔ نامعلوم، غزل، مشمولہ: 'ضبط شدہ نظمیں' محولہ بالا، ص: ۱۵۲۔
۱۰۶۔ ماہر، ہندوستانی آزاد جماعت کا پمفلٹ، مشمولہ: 'ضبط شدہ نظمیں' محولہ بالا، ص ۱۳۷
۱۰۷۔ کومل، بلراج، گریہ سگاں، http://www.rekhta.org.nazms/girya-e-sagann
۱۰۸۔ ایضاً۔
۱۰۹۔ جوہر، مولانا محمد علی، امپیریلزم کی روح محولہ بالا، ص ۱۵۵۔ ۱۵۶
۱۱۰۔ کاشمیری، شورش، نوجوانوں سے خطاب، مشمولہ: 'نوائے آزادی' محولہ بالا، ص: ۳۶۰

Abstract

This article aims at providing a brief account of Jalianwala Bagh massacre and its touching portrayal in Urdu poetry. The sad incident took place in 1919. Many known Urdu poets were alive then to witness the incident and shared their feelings how and who was responsible for the incident. Akbar Ilahabadi was one of the greatest names among the Urdu poets who composed his verses to condemn the incident. The article includes many known and little known poets who expressed their displeasure over the incident. The article recounts the testimony of the poets which remained true to the core of the tragedy. Urdu poets in their sentiments protested the English government and their representatives holding public offices in India then. Urdu poetry recounted many forms of tortures to Indian Muslims.

Keyword Jalianwala Bagh tragedy, poetry, Indian Muslims, portrayal of the incident in Urdu Poetry